سازِ مغرب

حصہ ہشتم

مرتبہ: حسن الدین احمد

ولا اکیڈیمی
حیدرآباد (آندھرا)

سازِ مغرب

اردو آہنگ میں

حصّہ ہشتم

مرتّبہ

حسن الدین احمد

وِلا اکیڈیمی حیدرآباد

سلسلۂ مطبوعات وِلا اکیڈیمی (۴۳)

زمانہ اشاعت اپریل سنہ ۱۹۸۰ء

تعداد اشاعت ایک ہزار

کتابت محمد عارف الدین

طباعت دائرہ پریس چھتہ بازار، حیدر آباد

قیمت بیس روپے

ناشِر

وِلا اکیڈیمی

مِلنے کا پتہ

وِلا اکیڈیمی، عزیز باغ، سُلطان پُورہ، حیدر آباد

۵۰۰۰۲۴

ترتیب

نمبر شمار			صفحہ
۱	ابتدائی باتیں	حسن الدین احمد	۷
۲	بچے کی دُعا	ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ	۹
۳	سرود حیات	ظفرؔ علی خاں	۱۰
۴	پیغام حیات	بشیر احمد طاہرؔ	۱۲
۵	سمندر	ظفر علی خاں	۱۴
۶	سمندر	بشیر احمد طاہرؔ	۱۸
۷	تیر اور نغمہ	منشی عبدالرحیم خاں ممنونؔ حیرتی	۲۰
۸	نغمہ و پیکاں	اکبر علی خاں عرشیؔ زادہ	۲۱
۹	سرودِ شبانہ	ظہیرؔ	۲۲
۱۰	سرودِ شبانہ	حفیظؔ ہوشیار پوری	۲۴
۱۱	موسم بہار کا آخری گلاب	حافظ محمد یعقوب اوجؔ گیاوی	۲۶
۱۲	بہار حسن کی رنگینیاں ہیں سب فانی	دھرم سروپ	۲۹

۱۳	فلسفۂ محبت	تمکین کاظمی	۳۲
۱۴	اٹھی ہے جاگ مری رُوح جاگ اُٹھی ہے	دھرم سروپ	۳۴
۱۵	آبِ رواں	سید عبد الغفور شہباز	۳۶
۱۶	لذّتِ دُنیا	حنیف کیفی	۴۱
۱۷	خود کلامی	ابو ظفر محمد عبد الواحد	۴۳
۱۸	متاع رفتہ	قیصر قلندر	۴۵
۱۹	قوسِ قزح	حیرت	۴۶
۲۰	نا پائیداری عشق	دھرم سروپ	۴۷
۲۱	بچے کا پہلا غم	پروفیسر فضل الدین فیاض	۵۱
۲۲	حُسنِ حقیقی	بادشاہ موتیہاری	۵۴
۲۳	آج اور کل	تلوک چند محروم	۵۶
۲۴	محبت ہی کی خاطر جان من مجھ سے محبت کر	دھرم سروپ	۵۸
۲۵	ایک افریقی غلام کا خواب	سید محمد زکریا	۶۰
۲۶	راحتِ تنہائی	جگن ناتھ کھنہ صفی	۶۲
۲۷	کور چشمی	سید شمس الدین	۶۴
۲۸	ہوس و عشق	دھرم سروپ	۶۵
۲۹	قناعت	سید راحت حسین فلسفی	۶۷
۳۰	چھوٹی چھوٹی چیزیں چھوٹے چھوٹے کام	تلوک چند محروم	۷۰

۳۱	فرانس کے لشکر کا ایک قصہ	سعید الدین خان سعید	۷۲
۳۲	اُداسی	دھرم سروپ	۷۴
۳۳	بُلبل اور جگنو	سعید الدین خاں سعید	۷۹
۳۴	انبساطِ زندگی	وفا شاگرد جلیل	۸۱
۳۵	فصلِ بہار اور یادِ یار	وفا صدیقی	۸۳
۳۶	آفتابِ محبت	دھرم سروپ	۸۵
۳۷	طائرِ فلک	اعظم سحاب	۸۶
۳۸	طرزِ نشاط زندگی	سید اسد اللہ عباس	۸۸
۳۹	بقائے حُسن	دھرم سروپ	۹۰
۴۰	نمودِ سحر	شاہد صدیقی	۹۱
۴۱	فردوسِ وطن	عطا اللہ کلیم	۹۳
۴۲	میرے بعد	دھرم سروپ	۹۴
۴۳	گوشۂ تنہائی	حافظ محمد یعقوب اوج گیاوی	۹۵
۴۴	ندی	سید راحت حسین فلسفی	۹۷
۴۵	زندگی کیا ہے تو اور تیرے جلوے کیا ہیں	دھرم سروپ	۱۰۰
۴۶	مجاہد	سعید الدین خان سعید	۱۰۱
۴۷	جمالیات	اشرف رفیع	۱۰۲
۴۸	خالقِ فطرت	دھرم سروپ	۱۰۳

۴۹	سپاہی کا خواب	سید محمد ابراہیم ندوی نجمؔ	۱۰۶
۵۰	گلابِ حق	دھرم سروپ	۱۱۰
۵۱	جوگی	سید عبدالغفور شہبازؔ	۱۱۴
۵۲	مثنوی عابد	محمد عبداللہ خان امینؔ	۱۲۲
۵۳	ربی بن عذرا	دھرم سروپ	۱۳۳
۵۴	جذبِ عشق	مرزا محمد بہادر یاورؔ	۱۵۲
۵۵	فردوسِ گم شدہ	عیسیٰ چرن صداؔ	۱۷۹
۵۶	مثنوی فیل	سید انشاء اللہ خاں انشاؔ	۱۸۷

ابتدائی باتیں

سازِ مغرب کا آٹھواں حصّہ جو ولا اکیڈمی کی ترتالیسویں پیش کش ہے، اہلِ ذوق کی خدمت میں پیش ہے۔ اس مرتبہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ کا ایک منظوم ترجمہ "بچے کی دُعا"، اور عیسیٰ چرن صداؔ کی مثنوی "فردوسِ گم شدہ" شریکِ اشاعت ہیں۔ اسی طرح سید انشا اللہ خاں انشاؔ کی "مثنوی فیل" بھی شریکِ اشاعت ہے۔ انگریزی سے کیے گئے منظوم ترجموں میں عیسیٰ چرن کی یہ مثنوی سب سے طویل ہے، جو (۸۹۵۳) بیتوں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح سید انشا اللہ خاں انشاؔ کی مثنوی اُردو میں پہلا منظوم ترجمہ ہے۔ متذکرہ منظوم ترجموں کے علاوہ اس مرتبہ جو منظوم ترجمے شاملِ اشاعت ہیں وہ سب ہم ترجمے ہیں۔

جن علم دوست حضرات نے منظوم ترجموں کی فراہمی کے سلسلے میں مدد فرمائی، ان سب کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خاص طور پر جناب محمد عبد الصمد صاحب معتمد اُردو ریسرچ سنٹر کا شکر گزار ہوں۔ جنھوں نے اس اہم ادبی پراجکٹ میں پُر خلوص تعاون فرمایا۔

برادرِ عزیز جناب احمد عبد العزیز صاحب کا شکر گزار ہوں، جن کی رفاقت ہر مرحلہ میں باعثِ ہمّت افزائی رہی۔ ان کی خاص دلچسپی ابتدا ہی سے اس پراجکٹ کے شاملِ حال رہی۔

ایک جذبۂ تشکّر اور بھی ہے،

مجھے اپنی بے مائیگی کا احساس پوری شدّت کے ساتھ، اس وقت ہوتا ہے جب مجھ سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ میں نے اتنے سارے منظوم ترجمے کیسے اور کہاں کہاں سے فراہم کر لیے۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ مجھے اس پراجکٹ پر کام کرنے کی توفیق ہوئی، اور میں اکیلا ہی خُلوص اور اِنہماک سے منزل کی جانب چل پڑا۔ پھر جانے انجانے متوقع اور غیر متوقع لوگ ملتے گئے۔ گویا یہ سب کسی مقرّرہ پروگرام کے تحت ہو رہا ہو۔ ملاقاتیں ہوئیں۔ حوالے دیئے گئے۔ نشان دہیاں ہوئیں۔ مشورے ملے۔ مُراسلتیں ہوئیں۔ سفر ہوئے، کُتب خانوں کی حاضریاں ہوئیں۔ قدیم رسالوں اور کتابوں کی وَرق گردانیاں ہوئیں۔ کتنی ہی کتابوں میں پہلی مرتبہ ورق کو ورق سے جُدا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ دن میں وقت نہ ملا، تو رات کی نیندیں اُچاٹ ہوگئیں۔ غرض اس شان سے چیزیں جمع ہوتی گئیں۔

یہ سب اہتمام "جسؐ کسی" نے کیا اس کے لئے ایک خاص جذبہ پیدا ہوتا ہے کیسے بتاؤں کہ وہ جذبہ کیا ہے؟ بعض جذبات بیان کیے جاتے ہیں۔ بعض الفاظ کی کثافت کو نہیں سہہ سکتے۔ صرف محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ بعض تو اتنے لطیف ہوتے ہیں کہ احساس بھی ان کی تاب نہیں لا سکتا، جن کا مقام آنکھوں کی نمی ہوتا ہے، میرے اس جذبے کا مقام بھی آنکھوں کی نمی ہے۔

عزیز باغ

سلطان پورہ، حیدرآباد

اپریل ۱۹۸۰ء

حسن الدین احمد

ڈاکٹر سر محمد اقبال

بچّے کی دُعا

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنّا میری
زندگی شمع کی صُورت ہو خُدایا میری

دُور دُنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے

ہو مرے دم سے یوں ہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صُورت یارَبّ
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبّت یارَبّ

ہو مرا کام غریبوں کی حِمایت کرنا
دردمندوں سے ضعیفوں سے محبّت کرنا

میرے اللہ! بُرائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اس رہ پر چلانا مجھ کو

بیتھم ایڈوررڈس

(اُردو نامہ، کراچی، شمارہ (۵) جولائی تا ستمبر ۱۹۶۱ء)

ظفر علی خاں

سرودِ حیات

غلط ہے حضرتِ ناصح کا فرماں — کہ ہے یہ زندگی خوابِ پریشاں
نہیں شاید انھیں یہ نکتہ معلوم — کہ سویا اور مرا ہوتا ہے یکساں
سراب آسا ہے اشیا کی حقیقت — عیاں کچھ اور ہے کچھ اور پنہاں
متاعِ واقفیت سے بھرا ہے — ہماری زندگی کا جیب و داماں
رُکے کیونکر لحد پر ناقۂ زیست — ملے جب رُوح سا اس کو حدی خواں
کہاں تھی رُوح اس فتوے میں شامل — مِلے گا خاک میں، ہے خاک انساں
نہ غایت ہے ہماری عیش و راحت — نہ مقصد ہے ہمارا رنج و حرماں
جو مقصد ہے تو یہ ہے آج سے کل — گراں تر ہو ہمارا کفِ میزاں
سمندر وقت سرپٹ جا رہا ہے — ہے بے پایاں ترقی کا بیاباں
بپا ہے گرچہ دل میں اور جگر میں — اولوالعزمی کا اور ہمت کا طوفاں
مگر مجبور مرقد کی طرف ہم — چلے جاتے ہیں افتاں اور خیزاں
جہاں کے عرصۂ پیکار میں تم — رہو بن کر ہمیشہ مردِ میداں

رہے گر چیونٹی بن کر تو کیا لطف
ہے لطف اس میں کم از کم ہو سلیماں

نہ مستقبل سے ہرگز میوہ چیں ہو
ہو سرسبز اس کا گو کیسا ہی بستاں

غمِ ماضی کے سر پر خاک ڈالو
تم اس کی یاد سے مت ہو پریشاں

ہمیشہ حال سے رکھو سروکار
ہو پہلو میں دل اور سر پر ہو یزداں

سوانح عمریاں اُن کی جنھوں نے
کئے ہیں کام دُنیا میں نمایاں

بتاتی ہیں کہ ہو سکتے ہیں ہم بھی
شموس آسماں عظمت و شاں

سکھاتی ہیں سبق ہم کو یہ نادر
"کہ چوں کشتی عمر آید بہ پایاں

نشانِ نقش پائے خود گذارید
بہ ریگ ساحل دریائے دوراں

کہ از دیدنش ہر کشتی شکستہ
کہ باشد باہم و نومید و حیراں

سراغِ منزلِ مقصود یابد
پئے درویش شود ایں نقشِ درباں"

بس اب اُٹھ بیٹھو اور کوشش میں لگ جاؤ
نہ ہو نیرنگیٔ قسمت سے ترساں

ہمیشہ صبر اور محنت سے لو کام
کہ ان سے مشکلیں ہوتی ہیں آساں

(جنگل میں منگل)

(لانگ فیلو)

ہمترجمے ساز مغرب حصہ اول صفحات ۵۴، ۵۵، ۵۹، حصہ دوم صفحہ ۱۲۸،
حصہ سوم صفحات ۶۵، ۶۸، ۱۲۸، حصہ چہارم صفحات ۵۸، ۲۹۳،
حصہ ششم صفحات ۳۴، ۲۲۱ پر دیکھئے۔

بشیر احمد طاہر

پیغامِ حیات

نہ رو، "حیات خواب ہے
کہ وہم ہے خیال ہے
نمودِ ہست و بود یہ
فریب ہے، سراب ہے"

فریب نہیں، یہ اصل ہے
لحد نہیں ہے اس کی حد
یہ خاک تن کا ہے ستن
یہ رُوح اک اور ہی فصل ہے

نہیں ہے مقصدِ حیات
یہ رنج و عیش اور نشاط
عمل کی دل کو ہو لگن
تو خوب سے خُوب تر کی بات

حیات ہے مختصر یہاں
بہت ہیں کرنے کام یاں
ہے تیرے دل کا زیر و بم
طبل رحیل کاروان

وہ ہو کارزارِ زندگی ہو یا پڑاؤ عارضی
نہ چل یہاں تو بھیڑ چال شیر کی سی ہو سروری

نہ آگے کی یہاں فکر کر نہ پیچھے کا تو کر ملال
کام پہ دل لگا ابھی ہو رب کا سایہ تیرے سر

وہ بزرگ ہستیوں کے کام ترے ہوں، مشعلِ حیات
ہو جب ترا یہاں سے کُوچ نقشِ قدم کو لیں عوام

نقشِ قدم ہو راہ نما رہر وانِ دہر کا
کشتی شکستہ بھائی کے ڈوبتے دل کا ناخدا

راہِ عمل میں بے قرار رہنے دے اپنے دست و پا
سعی مسلسل رہے اور کھُلی چشمِ انتظار

ظفر علی خان

سمندر

بہے جا اے یم ژرف و عمیق و تیرہ و اخضر
تجھے بیڑوں کی کیا پروا جہازوں سے تجھے کیا ڈر
زمیں کو گرچہ کرتا ہے تبہ اور پائمال انساں
تفوق اس کا مٹ جاتا ہے ساحل پر مگر آکر
تری ہر موج طوفاں خیز ہے منشورِ بربادی
حکومت ہے تو ہے تیری ہی ملکِ آب پر یکسر
نہیں رہتے یہاں آثار باقی اُس کی غارت کے
غنیمت بلکہ انساں خود یہاں ہے اور تو غارت گر
اسے تو غرق کر دیتا ہے مثلِ قطرہ پہنائے
حبابِ آہ کی دستار موجِ آب کی چادر
نہ گور اُس کو میسر ہے نہ حاصل ہے کفن اُس کو
نہ پرساں ہے کوئی اُس کا نہ کوئی نوحہ خواں اُس پر
تری راہوں پہ انساں کے قدم جم ہی نہیں سکتے
نہیں وہ چھین سکتا تیرے میدانوں سے مال و زر

تو خشم آلودہ ہو کر اور جھنجلا کر جو اُٹھتا ہے
تو بس ہوتی ہے اس کو بس تری موجوں کی اک ٹکر
اسے حاصل ہے جو طاقت زمیں برباد کرنے کو
نچاتا ہے وہ جس کے زعم میں ہر روز شور و شر
تجھے نفرت ہے اس سے اور تو فرطِ حقارت سے
لگاتا ہے اُسے سیلاب ہیبت ناک کی ٹھوکر
نہیں رہتا تمرد اس کا باقی ہو کے سرگرداں
وہ جب کھاتا ہے تیرے پُرخطر گرداب میں چکر
اسے اس بے کسی میں اپنے یاد آتے ہیں اب معبود
دعائیں مانگتا ہے ان سے ہو کر عاجز و مضطر
کسی ساحل پہ اس کو پھینک دیتا ہے تو آخر کار
پڑا رہ بس زمیں پر مت اٹھا اے ابن آدم سر
وہ بیڑے جو چمکتے اور گرجتے ہیں دمِ پیکار
بسانِ شعلۂ برق و مثالِ نالۂ تندر
ملاتے ہیں جو شہر و قلعۂ سنگین کو مٹی میں
مٹاتے ہیں جو نقشِ بارہ و برج و فصیل و در
ہراساں ملک ہیں جن سے لرزتی جن سے ہیں قومیں
پڑے ہیبت سے جن کی کانپتے ہیں تاجور تھر تھر

نہنگِ چوب انھیں کہئے کہ جن کا صانع خاکی
عبث نازاں ہے اس شئے پر بنا جس کی ہے پانی پر
انھیں کے بل پہ وہ دعوئ بے ہودہ کرتا ہے
کہ تو اس کا ہے محکوم اور وہ تیرا حاکم و داور
کھلونے ہیں یہ تیرے اور چل کر بارہا تو نے
انھیں توڑا ہے موجِ آسماں پیکر سے ٹکرا کر
کیا تو نے ہے سر نیچا غرورِ آرمیڈا کا
گیا لٹ تیرے ہاتھوں سے ہی سامانِ ٹریفلگر
ترے ایک ایک ساحل پر ہے اک اک سلطنت لیکن
بجز تیرے ڈھلیں تغییر کے سانچے میں سب آخر
ہوئی کیا عظمتِ یوناں ہوئی کیا شوکتِ بابل
کہاں ہے کارتھیج کی شان کہاں روما کا کر و فر
زمانہ جب موافق تھا بنایا تیری لہروں نے!
تجارت کا انھیں مرکز حکومت کا انھیں مصدر
بہت سے غاصبوں اور جابروں کو ان پہ تو لایا
بنیں وحشی کی یہ اور غیر کی حلقہ بگوشِ اکثر
تغیر اس قدر لایا زوال اور انحطاط ان کا
اُجڑ کر ہو گئے صحرا جہاں آباد تھے کشور!

نہیں ممکن مگر اے بحر تجھ میں انقلاب آنا
نہ ہوگا حشر تک بھی ختم تیرا نیلگوں دفتر
ترا حُسن اس بلا کا ہے نہیں قدرت زمانہ میں
کہ ڈالے جھریاں تیری جبینِ لاجوردی پر
نظر آیا تھا صبح کن فکاں کو جس طرح لبریز
اسی انداز سے اب تک چھلکتا ہے ترا ساغر
شبیہ خالق بیچوں و بے ہمتا ہیں تجھ میں
دم طوفاں نظر آتی ہے اے آئینہ انور
تموج تجھ میں پیدا یا تلاطم تجھ میں برپا ہو
سکوں کا یا خموشی کا ہو تو پہنے ہوئے زیور
تو ڈھانپے برف سے قطب شمالی و جنوبی کو
ویا کھینچے تو خط استوا پر نیل کا مسطر
ہر اک حالت میں تو بے انتہا ہے اور بے پایاں
فراخی تیرا مسلک اور وسعت ہے تیرا مشعر
ازل تیرا شبستاں ہے ابد ہے متکا تیرا
بقا تیری ردا ہے اور پہنائے فضا بستر
تجھے کہئے خدا کے جود اور اکرام کی مسند
تجھے لکھئے خدا کے عظمت و اجلال کا مظہر

لارڈ بائرن
(جنگل میں منگل)

ہم ترجمے حصہ دوم صفحات ۵۸، ۶۱ اور حصہ پنجم صفحہ ۱۰۳ پر دیکھئے

بشیر احمد طاہر

سمندر

سمندر! یونہی ٹھاٹھیں مارتا رہ سامنے میرے
سفینے سینکڑوں بہتے رہے سینہ پہ ہیں تیرے
زمیں سے جب کسی چنگیز کا سیلاب تھا اُٹھا
رُکا ساحل تلک وہ، چل سکا تجھ پر نہ بس اس کا
جو بیڑے ہیں تباہی کے وہ غوطے تجھ میں کھاتے ہیں
بشر بھی قطرۂ باراں کی مانند ڈوب جاتے ہیں
سبک آغوش میں موجوں کی لاشیں ان کی سوتی ہیں
جنازہ جن کا اُٹھتا ہے نہ قبریں جن کی ہوتی ہیں

(۲)

تمدن تیرے ساحل پر کبھی آباد تھے کیسے
اسیریا کے اور روما کے اور یونان کے جیسے

رہے آزاد ان کو تاجِ زر تو نے ہی پہنایا
غلامی کا جو دور آیا تو خورشید ان کو گہنایا
اُجڑ یہ سب گئے لیکن سمندر تو نہیں بدلا
تلاطم سے بدلتا گو رہا ہر دم ترا نقشا
شکن تیری جبیں پر وقت نے اب تک نہیں ڈالے
ازل کی صبح سے ویسے ہیں، اب تک تیرے اجیالے

(۳)

سمندر! تو مرا بچپن کا ساتھی اور ہمدم ہے
میں تجھ سے کھیلتا رہتا ہوں اب تک مجھ کو کیا غم ہے
حبابوں کی طرح میں تیرتا تھا تیری موجوں پر
اُٹھا لیتا تھا تو مجھ کو جب اپنے اونچے شانوں پر
جوار اور بھاٹا جب تری موجوں میں آتا تھا
سہم جاتا تھا میں، پر کیا مزا اس وقت آتا تھا
لپٹ جاتا تھا بچہ کی طرح میں تیری بانہوں سے
لپٹ جاتا ہوں، لے، ویسے ہی اب میں تیرے شانوں سے

لارڈ بائرن کی نظم کے تین بند کا ترجمہ

منشی عبدالرحیم خاں ممنونؔ حیرتی

تیر اور نغمہ

میں نے چھوڑا تیر اک سوئے فضائے آسماں — وہ زمیں پر آ رہا لیکن خدا جانے کہاں
وہ ہوا میں اس قدر تیزی سے اُڑ اُڑ کر گیا — میری آنکھوں نے بہت ڈھونڈا نہ پایا کچھ پتا

نغمۂ کیف آفریں پھر میں نے اک چھیڑا یہاں — وہ زمیں پر آ رہا لیکن خدا جانے کہاں
چشمِ باطن میں نے کی اس کی بہت ہی جستجو — ہو گیا غائب فضا میں وہ مثالِ رنگ و بو

وہ ہوائی تیر اور پھر بعد عمرِ مختصر — میں نے وہ بلوط کی شاخوں میں دیکھا سربسر
نغمۂ دلکش جو اُڑتا تھا ہوا میں بے گماں — میں نے دیکھا اُس کو اک محبوب کے دل میں نہاں

سروش لاہور، ۱۹۳۲ء

ہمہ ترجمے: حصۂ چہارم صفحات ۴۵، ۴۶ اور ۴۷۔ حصۂ ششم صفحات ۲۴، ۲۵ پر دیکھئے۔

اکبر علی خاں عرشی زادہ

نغمہ و پیکاں

میں نے پھینکا ہوا میں اک پیکاں　　وہ زمیں پر گرا نہ جانے کہاں
تھا سبک سیر اس قدر کہ نگاہ　　کم روی سے نہ جا سکی ہمراہ

میں نے چھیڑا فضا میں اک نغمہ　　وہ نہ جانے کہاں کہاں گونجا
باصرہ کس کا ہے قوی ایسا　　جو تعاقب کرے ترنّم کا

اک شجر میں پس ہزار زماں　　ناشکستہ ملا مجھے پیکاں
اور نغمہ تمام یک بارے　　یافتم باز در دل یارے

(۱۸ نومبر ۱۹۵۲ء)

ہمترجمے سازِ مغرب حصہ چہارم صفحات ۴۵، ۴۶، ۴۷ اور حصہ ششم صفحات ۲۴، ۲۵ پر دیکھئے۔

ظہیرؔ

سرودِ شبانہ

ترے خوابوں سے ہوا ہوں بیدار
رات کی پہلی حسیں نیندوں میں
ہلکے ہلکے ہیں ہوا کے جھونکے
اور چمکتے ہیں ستارے زریں

ترے خوابوں سے ہوا ہوں بیدار
ایک بے نام سی قوّت مجھ کو
آ گئی لے کے، نہ جانے کے لئے
ترے در پر، مری رُوحِ شیریں

ہوئی جاتی ہیں ہوائیں مدہوش
تیرہ و تار ہے سطحِ دریا
نگہتیں گل کی ہیں کھوئی کھوئی
خواب میں جیسے خیالِ شیریں!

نالے ہو جاتے ہیں بُلبل کے خموش
اس کے سینے ہی میں ہو کر پیدا

ترے سینے پہ مٹوں گا میں بھی
بس کہ تو ہے مری جانِ تسکیں

خاک سے آہ اُٹھا لے مجھ کو
ہو کے بے ہوش گرا جاتا ہوں

بارشیں بوسوں کی اپنی کر دے
خشک ہونٹوں پہ نزار آنکھوں پر

آہ یہ گال ہیں سرد اور بے خوں
دل دھڑکتا ہے مرا تیزی سے

اس کو سینے سے لگا لے اپنے
ٹوٹ جائے گا وہیں یہ آخر!

ادبی دُنیا، لاہور ستمبر ۱۹۳۵ء

پی، بی، شیلے

ہمترجمے ساز مغرب حصہ سوم صفحہ ۱۶۵، حصہ ہفتم صفحہ ۱۵۱ پر اور اس حصہ میں دیکھئے

حفیظؔ ہوشیارپوری

سرودِ شبانہ

دیکھ کر خواب میں سلمیٰ! ترے جلوؤں کی بہار
رات کے حصّۂ اول میں ہوا ہوں بیدار
ایک دھیمے سے ترنّم سے ہے معمور ہوا
نظر افروز ہے آکاش پہ تاروں کی ضیا
کوئی موہوم کشش پاؤں میں اے راحتِ جاں
جانے کس طرح مجھے کھینچ کے لائی ہے یہاں
آج دامن کشِ دل ہے ترا ارمانِ وصال
ورنہ میں اور ترے رنگین شبستاں کا خیال

گُم ہوا جاتا ہے آوارہ ہواؤں کا خروش
آبِ دریا میں کہ ہے تیرہ و تاریک و خموش
یاسمن سے ہوئی معدوم وہ بُوے شیریں
جس طرح خواب میں کھو جائیں خیالاتِ حسیں

نالۂ بلبلِ مہجور بھی خاموش ہوا!
دل سے پیدا ہوا اور دل ہی میں روپوش ہوا
تیرے سینے سے لپٹ کر یونہی کھو جاؤں گا
ابدی نیند کی آغوش میں سو جاؤں گا

گھاس کے فرش سے اے جان! اٹھانا مجھ کو
میں چلا! بہرِ خدا ہوش میں لانا مجھ کو
ہونٹ پیاسے مرے، آنکھیں مری افسردہ ہیں
زرد رُخسار غمِ عشق سے پژمُردہ ہیں
ان پہ ہو جائے ترے بوسوں کی بارش اک بار
جس طرح ابرِ بہاراں سے پڑے ہلکی پھوار
اپنے سینے سے لگا لے مری پیاری سلمیٰ
ختم ہو جائے وہیں دل کے دھڑکنے کی صدا

ادبی دُنیا، لاہور، ستمبر ۱۹۳۵ء

پی، بی، شیلے

ہمترجمے سازِ مغرب حصہ سوم صفحہ ۱۶۵ اور حصہ ہفتم صفحہ ۱۵۱ پر اور اس حصہ میں دیکھئے۔

حافظ محمد یعقوب اوجؔ گیاوی

موسمِ بہار کا آخری گلاب

اے گُلِ شاداب اے سرمایۂ فصلِ بہار
اے فروغِ بوستاں ، شمعِ شبستانِ چمن
ہے تجھی سے موسمِ گُل کا فقط باقی نشاں
ہے تو ہی زینت دہِ بزمِ عروسانِ چمن

ہم نشیں ہمدم ترے سب کیوں ہیں کمہلائے ہوئے
نونہالانِ چمن کو کھا گئی کِس کی نظر
صدمۂ جورِ خزاں سے کیوں ہیں مُرجھائے ہوئے
پتّیاں بکھری پڑی ہیں ہائے فرشِ خاک پر

سوگ میں گلہائے پژمردہ کے کیوں گریاں ہے تُو
فرطِ غم سے ہو رہا ہے آج کیوں چہرہ اُداس
دردِ فُرقت کی اذیّت سے عبث نالاں ہے تُو
ہے مرقعِ دہرِ فانی کا تری تصویرِ یاس

ہے عجب نیرنگیٔ قدرت کا جلوہ آشکار
باغِ عالم میں کوئی خنداں ہے گریاں ہے کوئی
شادی و غم دونوں توام ہیں جہاں میں یادگار
رنج سے نالاں کوئی راحت سے شاداں ہے کوئی

اے گُلِ تر ہے تجھے بھی اپنی ہستی کی خبر
دیکھ عبرت سے کہ یہ ہستی تری موہوم ہے
رہ نہیں سکتا کوئی جورِ خزاں سے بے خطر
ہے فنا سب کو وجود بے بقا معدوم ہے

صحنِ گُلشن میں پڑے ہیں تیرے ہمدم ہم جلیس
کیا تقاضائے محبّت ہے کہ تو تنہا رہے
جا اسی عالم میں تو بھی، ہیں جہاں تیرے انیس
پھر نہ اندیشہ رہے تجھ کو نہ کچھ کھٹکا رہے

لے مٹا دیتا ہوں میں اب ہستیٔ فانی تری
چاک کر دیتا ہوں میں لے تیرے اوراقِ حیات
عالمِ ایجاد میں کب تک گُل افشانی تری
چند روزہ صحن گلشن میں تھی تیری کائنات

خوابِ غفلت میں پڑے کب تک رہو گے غافلو
لو سبق اس گلشنِ ایجاد کی تصویر سے
فکرِ دُنیا کے عوض کچھ فکرِ عقبیٰ بھی کرو
ہیں عبث تم کو اُمیدیں آسمانِ پیر سے

اے خُدائے جُزو کُل اے خالقِ ہر دوسرا
دشت وحشت میں پھرا کرتا ہے بے یار و ندیم
اور حجؔ محزوں بھی ہے اک گُم گردۂ راہِ فنا
تو دکھا رحمت سے اپنی اب صراطِ مستقیم

ہمترجمے سازِ مغرب حصہ دوم صفحہ ۱۳۴ ، حصہ سوم صفحات ۱۵ ، ۱۸ ، ۱۹ ،
حصہ پنجم صفحات ۱۳ ، ۱۵ ، حصہ ششم صفحہ ۴۹ اور حصہ ہفتم صفحہ ۴۹ پر دیکھئے۔

دھرم سروپ

بہارِ حُسن کی رنگینیاں ہیں سب فانی

جو شاخِ تر پہ کلی مُسکرا رہی ہے آج
وہ کل ہی خاک میں بے رنگ و بُو پڑی ہو گی
گلُوں پہ ہی نہیں کچھ منحصر کہ دُنیا میں
بہارِ حُسن کی رنگینیاں ہیں سب فانی
اک ایک جلوۂ جاں بخش و منظرِ دلکش
نظر نظر میں ہے جس کے دوام کی خواہش
دِکھا کے ہلکی سی اک مختصر جھلک دم بھر
ہمارے شوقِ تماشہ کو مشتعل کر کے
فنا کے پردۂ تاریک و تار میں جھٹ سے
کچھ ایسے ہوتا ہے غائب کہ آرزوئے جمال
دل و جگر میں ترستی تڑپتی رہتی ہے
اُڑاتی شب کی سیاہی کہ مضحکہ جیسے

فضا میں شعلگی بجلی کی کوندتی گزرے
جہانِ شوق و تمنّا کی ہر خوشی، ویسے
بس ایک لمحہ کو اپنی چمک دکھا کے ہمیں
ہماری آنکھ سے ہوتی ہے دفعتاً اوجھل
نہ جانے پھر یہ کہاں آندھی آرزوؤں کے
دبیز پردوں کی گہری تہوں میں چھپتی ہے

(۲)

یہ حال حُسنِ مناظر کا ہی نہیں ہے فقط
جہاں میں حُسنِ طبیعت بھی پائیدار نہیں
خلوص و سادگی و راستی و نیکی کو
نہیں ہے تاب زمانے کی سخت گیری کی
ہے سچّی دوستی کم یاب، ہے وفا عنقا
یہاں تو عشق کے لمحاتِ بےخودی کے لئے
گُزرنا ہوتا ہے صدیوں سے یاس و حرماں کی
مگر ہم ایسے ہیں کچھ سخت جاں کہ خوشیوں کی
فنا کو دیکھتے رہتے ہیں اور مرتے نہیں
اک ایک شے جسے عالم میں اپنا کہتے ہیں
ہماری رہتی نہیں پھر بھی درد و رنج و الم

مفارقت کا اُٹھاتے ہیں جیتے رہتے ہیں

(۳)

حیات خواب ہے اپنی، نشاطِ ہستی خواب
سرورِ زیست اُٹھالو یہ خواب ہے جب تک
فلک ہے نیلگوں جب فضا منوّر ہے
وفا کا نُور ہے جب تک جہاں کی نظروں میں
خوشی سے زندگی کر لو۔ یہ روشنی دن کی
بہت ہی جلد دُھندلکوں سے شام کے ہو کر
سیاہیوں میں شبِ غم کی ڈوب جائے گی
کھلے گی آنکھ جب، اجزائے خواب بکھریں گے
نظر نہ آئے گا کچھ بھی مگر، کہ پلکوں پر
ڈھلکتے ہوں گے غمِ آگہی کے چند آنسو

پی، بی، شیلے

ہم ترجمہ ساز مغرب حصہ سوم صفحہ ۱۷۶ پر دیکھئے

سیّد تمکین کاظمی

فلسفۂ محبت

(۱)

چشمے دریا سے ملتے ہیں ملتے ہیں دریا سمندر سے
فردوسِ بریں کی ٹھنڈی ہوائیں دائمی طور پر ملتی ہیں
دل آویز اور پاکیزہ اک جذبے سے متاثر ہو کر
ہاں دیکھو! صفحۂ عالم پر تنہا کوئی بھی چیز نہیں
دُنیا کی جتنی چیزیں ہیں ہیں قانونِ قدرت کے تحت
یہ ایک ہی رُوح سے ملی جاتی ہیں فوراً جذب ہو جاتی ہیں
پھر کیوں نہ میں مل جاؤں تجھ سے ؟

(۲)

دیکھو فردوسِ بریں کے بوسے کس طرح لیتے ہیں پہاڑ
اور لہریں کبھی تو بڑھ بڑھ کر آپس میں گلے مِل جاتی ہیں
اس پھول کو جو کہ مونث ہو معافی نہ کبھی دی جائے گی

وہ جس نے اپنے بھائی کو سمجھا ہو حقیر و ذلیل کبھی
سُورج کی کرنیں آ آ کر جس دم کہ زمین سے ملتی ہیں
اور چاند کی کرنیں جب دریا کا لینے لگتی ہیں بوسہ
کس کام کی پھر دلچسپی ہے کس کام کی پھر ساری چیزیں
جب تو ہی نہ لے میرا بوسہ ؟

نیرنگِ خیال سالنامہ سنہ ۱۹۲۹ء

(شیلے)

ہم ترجمے حصّہ اول صفحہ ۱۹۳ ، حصّہ دوم صفحات ۷۸ ، ۷۹ ، حصّہ سوم صفحہ ۹۶ حصّہ چہارم صفحات ۶۳ ، ۲۵۱ حصّہ پنجم صفحات ۱۷ ، ۱۹ اور حصّہ ششم صفحات ۲۰ ، ۲۲ پر دیکھئے۔

دھرم سروپ

اُٹھی ہے جاگ مری رُوح جاگ اُٹھی ہے

اُٹھی ہے جاگ مری رُوح، جاگ اُٹھی ہے
دل و دماغ مرے گہری نیند سوئے ہیں
شعور و فکر کے اندیشہ ہائے دُور دراز
جہانِ بیم و رجا کا تمام خوف و ہراس
زماں کی سرعتِ رفتار کا شدید احساس
فضائے ہست کی سب نقل و حرکت و طاقت
مرے لئے ہوئے نابود و نیست سر تا پا
تمام قوتیں ہستی کی غرق ہیں جس میں
اک ارتعاش ہے پیدا سکونِ مطلق کا
نہ دیکھتا ہوں کسی چیز کو نہ سُنتا ہوں
بس ایک کل کا ہے احساس رُوح کو میری
وہ کائنات کی ہر شئے میں ہے سمائی ہوئی

بسی ہوئی ہے ہر اک شئے خود اس کے دامن میں
وہ کہسار میں وادی میں دشت وصحرا میں
وجود اس کا ہے اک اک وجودِ ہستی میں
وہ آبشار میں چشمے میں بحر و دریا میں
وہ رنگ و بُوئے گلستاں میں بادو باراں میں
وہ رقصِ شاخ و شجر میں زمیں کی گردش میں
سموئی اس میں ہے فطرت وہ جذب فطرت میں

۷ ر اگست ۱۹۷۸ء

ورڈس ورتھ

ہمترجمہ ساز مغرب حصہ سوم صفحہ ۲۲۴ پر دیکھئے

سید محمد عبدالغفور شہبازؔ

آبِ رواں

سرچشمہ

الٰہ آباد میں خوبی سے آباد
خدا رکھے ہمیشہ خرّم و شاد

ہیں میر اکبر حسین اک دوست میرے
وہ جن کی نظم نے موتی بکھیرے

طبیعت میں بلا کی ہے روانی
غضب جاری ہے اس چشمے کا پانی

رواں، ہرچند ہوں یورپ میں نہریں
دکھائیں ہند کی یہ ان میں لہریں

فرنگی بحر گو آئینے لائیں!
یہ ہندی شوخ کے جلوے دکھائیں

سمجھ لو سحر ہے کیسا یہاں میں
لڈور آیا چلا ہندوستاں میں

ہوے سودی کے انگلش زا لبوں سے
فصاحت آشنا اُردو کے لہجے

کہاں ہیں چشمہ سودی میں موجیں!
یہ اُردوئے معلّٰی کی ہیں فوجیں

لئے ہاتھوں میں تیغ موج صافی
جمائے ہیں پرے مصدر توافی

مسلسل نظم میں نے جب یہ دیکھی
اُٹھیں موجیں طبیعت میں خوشی کی

اُمنگوں پر بڑھیں دل میں اُمنگیں
ترنگوں پر ہوئیں پیدا ترنگیں

قلم داں پر سخن کا ہاتھ لپکا
قلم سے بُوندیں بن کر شعر ٹپکا

کہاں ہیں تشنہ کامانِ معانی　　پئیں حاضر ہے آبِ زندگانی

بہاؤ

اُڑا طرزِ خرام البیلیوں سے　　چلا آبِ رواں اٹھکھیلیوں سے
کِھلاتا، کھیلتا، ہنستا ہنساتا　　تِھرکتا ناچتا گاتا بجاتا
مٹکتا جھومتا، تَنتا اکڑتا　　گرجتا گونجتا بَنتا بگڑتا
جھلکتا، جھلملاتا، جگمگاتا　　پھسلتا، لڑکھڑاتا، ڈگمگاتا
دکھاتا زور غل کرتا کڑکتا　　مچاتا شور ڈانٹ اُٹھتا جھڑکتا
لپکتا دوڑتا پھرتی دکھاتا　　اُچھلتا کودتا چکر لگاتا
اُچکتا پھاندتا گِرتا لڑھکتا　　جھجکتا، رُوٹھتا، بھڑتا بھڑکتا
مچلتا، پانْوں پھیلاتا، بلکتا　　سہمتا، کانپتا، روتا، سسکتا
لرزتا، تھرتھراتا، تلملاتا!　　بِلکتا، بلبلاتا، گِڑگڑاتا
سِمٹتا، پھیلتا، مُڑتا مڑاتا　　اُبھرتا ڈوبتا اڑتا اُڑاتا
کَترتا، چھانٹتا پُرزے اُڑاتا　　کچلتا کوٹتا چھکّے چھڑاتا
الف ہوتا بڑا کادے لگاتا　　دولتی جھاڑتا پٹنک اُڑاتا
کبھی گھوڑدوڑ میں کف منھ میں لاتا　　کبھی فوجوں میں گھس کر ہن ہناتا
گریباں چاک کرتا سر پٹکتا　　رگڑتا ایڑیاں، دامن جھٹکتا
اُٹھا کر سونڈ فوّارہ اُڑاتا　　دھوئیں کے زور سے پارا اُڑاتا
تڑپتا لوٹتا چڑھتا اترتا　　جھپٹتا باؤلا ہوتا بپھرتا

کھسکتا، بھاگتا، رُکتا ٹھہرتا
جھٹکتا جھاڑتا بنتا سنورتا

لپٹتا، چھیڑتا، چھُوتا، چھلاتا
چھڑکتا چھینٹتا دھوتا دُھلاتا

کبھی ڈنڈ پیلتا جوڑی ہلاتا
کبھی خم ٹھونکتا تیوری چڑھاتا

پہاڑوں کا کہیں دامن دباتا
درختوں کی کہیں شاخیں چباتا

صدف میں گوہرِ نایاب بھرتا
گہر کی شیشیوں میں آب بھرتا

مشبک چھانوں کا پھندا بناتا
مسلسل موج کا نقشہ جماتا

زمرد پر کہیں پارہ بچھاتا
کہیں پارے کو فیروزہ اُڑھاتا

ستاری چھیڑتا ارگن بجاتا
اِدھر حُوریں اُدھر پریاں نچاتا

اُلجھتا خار سے گُل سے اٹکتا
پچکتا پھُولتا دَبتا سٹکتا

کٹر بجرے کو مرغابی بناتا
بشر کو مردمِ آبی بناتا

مکلّف میز پر چادر بچھاتا
معلّق شہر کو دعوت کھلاتا

شگوفہ چھوڑتا غصّہ چڑھاتا
عداوت ڈالتا مینڈھے لڑاتا

کبھی کھیتوں میں شاخِ زر لگاتا
کبھی منڈی میں زر کو پر لگاتا

جھلاتا جھولتا پینگیں بڑھاتا
کڑکتا چیختا، تانیں لگاتا

بہک پڑتا، سنکتا، سنسناتا
اُچک پڑتا، لپکتا دندناتا

بڑھاتا ہر طرف موجوں پہ موجیں!
چڑھاتا چارسو فوجوں پہ فوجیں

کبھی سیماب سے چاندی بناتا
کبھی چاندی پہ لے سونا چڑھاتا

پنہاتا شمس کو زرتاش سائے
بناتا چاند سے چاندی کے پلّے

کھلاتا روز و شب سورج کو غوطے　　اڑاتا عقل کے ہاتھوں کے طوطے
زمیں کی گود میں گرداب بھرتا　　بھنور کی ناند میں سیماب بھرتا
بناتا مورچے توپیں چڑھاتا　　سجاتا پلٹنیں فوجیں بڑھاتا
نگلتا سیپیاں موتی اُگلتا　　جماتا قفلیاں سانچے میں ڈھلتا
گراتا پھینکتا، چنتا اٹھاتا　　چمٹتا چومتا پلٹا سماتا
کبھی روجوں پہ پھیلاتا تباہی　　کبھی موجوں پہ جھمکاتا سیاہی
کبھی پچکاریوں کا ڈالتا ڈھنگ　　زباں بن کر کسی جا چاٹتا سنگ
کبھی پتھر سے ٹکراتا ہوا سر　　کبھی زروں پہ چمکاتا ہوا زر
نگینے سنگ ریزوں کے بناتا　　طلسمی سرمہ آنکھوں میں لگاتا

سمندر اور اس سے ہم آغوشی

غرض آبِ رواں یوں جہد کرتا　　ہر اک کوشش سے سو سو عہد کرتا
ہزاروں تازہ دم چشموں سے ملتا　　کروڑوں پیارے ہم چشموں سے ملتا
جلو میں ندیوں نالوں کو لیتا　　کروڑوں کشتیاں اُلفت کی کھیلتا

سمندر

بڑی ہے اک عظیم الشان شئے سے　　پڑے جس میں کروڑوں اہل طے سے
ہزاروں جس میں مخفی گنج شاہی　　کروڑوں جس میں اسرارِ الٰہی
زیادہ جس کی گہرائی خرد سے　　عیاں جس کی اُنچائی شد و مد سے
خیالوں سے بڑا پھیلاؤ جس کا　　سمیٹے خوبیاں، سمٹاؤ جس کا

نگاہیں جس کا پایاں پا نہ سکتیں
حدیں جس کا سرا بتلا نہ سکتیں

فلک جس کے قدم لینے کو جھکتا
زمانہ جس پہ دم لینے کو رُکتا

زمانے سے ہوا خواہ ابر جس کا
ہوا اک عاشقِ بے صبر جس کا

ستارے جس پہ شیدا ماہ مفتون
بلا گردان جس کا مہرِ گردوں

گھٹا چگی ہوئی جس کی بدولت
شفق پھولی ہوئی جس کی بدولت

پہاڑوں کو جہاں روڑوں کا رتبہ
جہاں موروں سے کم گھوڑوں کا رتبہ

جہازوں کو جہاں قطرے نچاتے
چٹانوں کو جہاں ذرّے نچائے

جہاں ہر بُوند بنتی بندھیاچل
جہاں ہر موج جنتی سو ہماچل

جہاں طوفانِ نوح اک موجِ نوخیز
جہاں خود چشمِ قدرت حیرت آمیز

ہم آغوشی

عبارت مختصر اُٹھ کے سنبھل کے
مطابق فارسی کی اِس مثل کے

کُند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز!

بنا آبِ رواں اک قلزمِ جوش
ہُوا آخر سمندر سے ہم آغوش

خیالات شہباز سنہ ۱۹۱۶ء

---

* ترجمہ سازِ مغرب حصہ پنجم صفحہ ۱۷۴ پر دیکھیے

حنیف کیفیؔ

لذّتِ دنیا

کس قدر آج ہیں ہم لذّتِ دنیا کے شکار
ہم ہیں قارون کی چوکھٹ پہ جھکائے ہوئے سر
ہے شب و روز ہمیں مشغلۂ سود و ضرر
بے اثر ہم پہ ہے دوشیزۂ فطرت کا سنگار
مست ہم خوابیٔ گُل صرصرِ ہنگامہ شعار
بحرِ بے خواب کی آغوش میں خوابیدہ قمر
کوئی جلوہ نہیں دیتا ہمیں تحریکِ نظر
نہیں دامن کشِ احساس کوئی رنگِ بہار

(۲)

ایسے عالم سے کہیں دور بچشمِ حیراں
کاش میں شاہدِ نیرنگِ تماشا ہوتا

سُنتا موجوں سے میں فطرت کے رموزِ پنہاں
نغمۂ بادِ بہاری کا شناسا ہوتا
پھر نہ اس درجہ ستاتا مجھے احساسِ زیاں
بزمِ ہستی میں نہ اس طرح سے تنہا ہوتا

اُردو شاعری میں سانیٹ
(جولائی ۱۹۷۵ء)

ہمترجمہ ساز مغرب حصہ ہفتم صفحہ ۱۳۱ پر دیکھئے
انگریزی نظم ساز مغرب حصہ ہفتم صفحہ ۹ پر دیکھئے

ابوظفر محمد عبدالواحد

خودکلامی

نہیں معلوم بہتر کیا ہے؟ جینا یا کہ مرجانا؟
ہے بہتر ناوکِ اندوہ سے یا دل کا تڑپانا

یونہی یا غوطہ زن بحرِ مصائب میں رہیں پیہم
بالآخر اس کشاکش میں رہیں اس طرح غالب ہم

کہ گُم ہوجائیں اس دارِ فنا سے، چین سے سوئیں
لحد میں۔ پر خیالِ ناگہاں آتا ہے یہ دل میں

اجل کی نیند کیا خوابِ پریشاں ہم کو دکھلائے
جب اپنا طائرِ رُوحِ مقیّد تن سے اُڑ جائے

تامّل اس میں ہوتا ہے مفر کی شکل پھر کیا ہو
دلِ غم دیدہ پھر ہو موردِ آلام تو کیا ہے!

وگرنہ تازیانے کیوں سہے کوئی زمانے کے
مظالم ظالموں کے اہلِ نخوت کے زبوں حملے

تکبّر حُسنِ خُوباں کا۔ وہ صدمے مہر و اُلفت کے
درنگ قانون میں بیجا وہ استغنا عدالت کا
ستم نا اہل و ناداں کا، تبحّر اہلِ خدمت کا
مگر اندیشۂ بعد فناء و خوف مستقبل
وہ اقلیم درازِ لامکاں دشواریٔ منزل
جہاں سے کوئی رہرو مژدۂ شادی نہیں لایا
مٹا راہِ طلب میں یوں کہ پھر واپس نہیں آیا
یہی اندیشۂ جانکاہ ہمّت پست کرتا ہے
تذبذب میں پڑا رہتا ہے انساں اور ڈرتا ہے
بنا لیتا ہے دل کو خوگرِ آلامِ موجودہ!
نکمّا اور بُزدل خود کو۔ اپنے عزم کو مُردہ

نظام کالج اردو میگزین جلد ۱ نمبر ۳
مارچ سنہ ۱۹۲۳ء

ہیرو ہیاملٹ، شکسپیئر

ہمترجمہ ساز مغرب حصہ دوم صفحات ۴، ۷، ۶، ۷ پر دیکھئے

قیصر قلندر

متاعِ رفتہ

خموش یادوں کی آراستہ ہو بزمِ طرب
متاعِ رفتہ کی نومیدیوں سے آہ بلب
جو آنکھ تر نہ ہوئی تھی، ہے آج وہ نمناک
غمِ حیات، محبت سے سینہ و دل چاک
گزشتہ شکوہ و رنجش پہ ہو گئے ہیں مغموم
الم چشیدہ، ستم دیدہ ہوں سدا محروم

خیالِ ماضی سے بڑھتی ہے بے بسی کی چبھن
پرائے غم ہیں نئے ماتموں میں فکر فگن
گئی حبیب، شبِ مرگ بے کراں میں چھپے
حسیں نظاروں کے ماتم میں اشکبار رہے
مصائبوں کی حزیں داستاں کا ذکر کروں
بہائے درد، ادا بار بار کرتا رہوں

تمہارے ذکرِ حسیں میں جو وقت بھی گزرے
کوئی نہ شکوہ بھی محرومیوں سے میرا رہے

ولیم شکسپیر

شیرازہ، سری نگر، مئی ۱۹۶۴ء

ہم ترجمہ، حصۂ چہارم صفحہ ۲۵۸ پر دیکھئے۔

قوسِ قزح

دل میں ہے موجِ مسرت جوش زن
آسماں پر دیکھ کر قوسِ قزح

میرے بچپن کا یہی آئینہ تھا
ہے یہی میرا شبابِ کیف زا

ہوگا پیری میں یہی عالم مرا
اور جب پیغام موت آجائے گا

میرا بچپن ہے جوانی کی دلیل
یعنی لطفِ زندگانی کی دلیل

سازِ ہستی انبساط انگیز ہو
دل کا ہر نغمہ ترنّم ریز ہو

سرورش لاہور (ایڈیٹر نمبر) ستمبر سنہ ۱۹۳۰ء

انگریزی سے ترجمہ:

ہمترجمے، حصہ دوم صفحہ ۱۴۷ - حصہ سوم صفحہ ۱۶۰ - حصہ چہارم صفحہ ۳۲۱ اور حصہ ہفتم صفحہ ۸۹ پر دیکھئے۔

دھرم سروپ

ناپائیداریٔ عشق

دِیا، ہو جاتا ہے جب ٹکڑے ٹکڑے
تو ملتی خاک میں ہے جوت اِس کی
بکھر جاتے ہیں بادل جب فلک پر
تو اُڑتے ہیں دھنک کے رنگ سارے
شکستہ ساز ہوتا ہے جو خاموش
تو مِٹ جاتی ہے یاد اس کے سُروں کی
جو سِل جاتے ہیں لب شدّت سے غم کی
تو پھر کب پیار کی ہوتی ہیں باتیں؟

(۲)

ہے نغمہ ساز سے، جیوتی دیئے سے
نہ ہوں یہ تو اندھیرا اور خموشی
نشاطِ رُوح سے اور کیفِ جاں سے

طلوع ہوتے ہیں ہستی کے ترانے
جو ہو رُوحِ بشر خاموش غم میں
تو کب اُٹھیں گے نغماتِ مسرّت
فغاں آئے گی لب پر اور نالے
کسی سنسان ویرانے میں جیسے
چلیں گریہ کناں جھونکے ہوا کے
اُٹھے یا گونج بھاری درد و غم کی
بجے گھنٹے کسی کی مَوت کے جب
سمندر میں جہاز ماتمی سے

(۳)

جو دل کاشانۂ مہرِ وفا ہیں
کدورت کا پڑے اُن پر جو سایہ
صفا میں فرق آجائے ذرا بھی
تو رہ سکتی نہیں ان میں محبت
جو نرم و نازک و حسّاس ہے دل
وہ غم سہتا ہے اپنا چُپکے چُپکے
لئے دامن میں خالی زندگی کے
کسک یادوں کی درد اپنی وفا کا

کوئی پوچھے محبّت سے کہ آخر
یہی انجام ہے صدق و صفا کا
تو پھر اس شیشۂ دل ہی کو اپنے
ہے جس کے ٹوٹنے کا ہر گھڑی ڈر
بناتی ہے ہمیشہ اپنا گھر کیوں
یہ گہوارہ تری معصومیت کا
یہی میری جوانی کا محل بھی
یہی آخر ترے لاشے کا مدفن

(۴)

کوئی کہہ دو محبت سے کہ آخر
تجھے برباد کر دے گا یہی دل
جُنوں کے اس سے اُٹھیں گے تلاطم
ہلا دیں گے جو ایسے زندگی کو
بگولے جس طرح جھنجھوڑتے ہیں
فضا میں اُونچے اڑتے طائروں کو
ہنسے گی سادہ لوحی پر تری عقل
زمیں کی بے بسی پر جیسے سورج
ہنسا کرتا ہے دن بھر سردیوں میں

بنایا گھر جسے تو نے ۔ محبت
یہ دل جس دل میں تو بستی ہے اگر
عقیدت کا تری یہ آشیانہ
بنا ہے اوج پر اُمید کی جو
نہ کر پائے گا یہ تیری حفاظت
در و دیوار گر جائیں گے اس کے
فنا ہو جائے گا اک ایک تنکا
ترے حُسنِ یقیں کے آشیاں کا
خزاں صحنِ چمن میں آئے گی جب
تو شاخِ خشک پر عُریاں فضا میں
تو اپنے آپ کو پائے گی تنہا
ہوائے سرد کے کھاتی تھپیڑے
اُڑائے گا ہنسی تجھ پر زمانہ
نہ پوچھے گی تجھے بے درد دُنیا

پی، بی، شیلے

ہمترجمہ ساز مغرب حصہ سوم صفحہ ۱۷۴ پر دیکھئے

پروفیسر فضل الدین فیاض

بچّے کا پہلا غم

میں اکیلا نہیں کھیل سکتا کھیل سکتا ہے کوئی اکیلا
گرمی آئی کِھلے گل چمن میں چہچہاتی ہے بُلبل چمن میں
شہد کی مکھیاں مل کے آئیں آ گئے ہر پھول پر بھِنبھنائیں
میرا بھائی سدھارا کدھر کو
میرے بھائی کو واپس بلاؤ
کرنیں سورج کی کھڑکی سے آئیں ساتھ ہی تیتری کو بھی لائیں
آگے وہ پیچھے میں دوڑتا تھا آج مجھ کو نہیں اس کی پروا
میرا بھائی سدھارا کدھر کو
میرے بھائی کو واپس بلاؤ
باغ میں وہ جو پودے لگے تھے گِرد پودوں کے تھالے بنے تھے
ان میں ہم نے جو گُل تھے لگائے امّی جان آج وہ اُگ بھی آئے
داکھ کی بیل تھی جو ہماری ہو گئی وہ بھی پھل سے ہے بھاری

میرا بھائی سدھارا کدھر کو
میرے بھائی کو واپس بلا دو

میرے لال! اب نہیں اس کو آنا
اس کو بے فائدہ ہے، بُلانا
وہ جو مکھڑا چمن کی کلی تھی
جو ابھی اس چمن میں کھلی تھی
اس نے اک اور ہی گھر بسایا
وہ زمیں پر نظر اب نہ آیا

باغ میں پھُول کھلتا ہے جیسے
کھل کے کانٹوں سے چھلتا ہے جیسے
پتّی۔ پتّی ہے اس کی بکھرتی
بکھری پتّی یہ روتی ہے دھرتی
ایسے ہی کھل کے مرجھا گیا وہ
ایسے ہی رنگ دِکھلا گیا وہ

میرے چاند اب اکیلے ہی کھیلو
وہ کھلونے پڑے ہیں جو لے لو
اگلی دُنیا میں ہے تیرا بھائی
اگلی دُنیا ہی اب اس کو بھائی

اس نے پھُولوں سے بھی منھ ہے موڑا
اور پرندوں کا بھی ساتھ چھوڑا
امی جان اس کو آنا نہیں کیا؟
ہم کو اب منھ دکھانا نہیں کیا؟
گرمی کے لمبے لمبے دنوں میں
پھر نہ آئے گا وہ ہم سِنوں میں

امّی ندّی کے نزدیک اچھلنا امّی جنگل میں گر کر سنبھلنا
امّی! رستے میں وہ خاک اُڑانا امّی آپس میں وہ غُل مچانا
امّی! مل کر گھروندے بنانا امّی! پھر ٹھوکروں سے گرانا

ختم کیا ہو گئے کھیل سارے
ہو چکے اب تماشے ہمارے

کاش! وہ مجھ سے جب کھیلتا تھا کھیل میں ریلتا پیلتا تھا
اس سے میں اور بھی پیار کرتا
پیار کیا اس کی اُلفت پہ مرتا

سروش لاہور مارچ سنہ ۱۹۳۰ء

فیلبیسا ڈی ہمینس

ہمترجمے ساز مغرب حصّہ اول صفحہ ۱۰۹ اور حصہ چہارم صفحہ ۶۵ پر دیکھئے۔

حُسنِ حقیقی

وہ جو شیدا ہو گُل ور خسار کا
یا رسیلے لب کو جو کرتا ہے پیار
روشن آنکھوں سے کسی کی گرم کر لیتا ہے دل
اس کو شاید اس حقیقت کی نہیں مطلق خبر
وقت کا بے رحم ہاتھ
ختم کر دیتا ہے سب کچھ، چہرہ ور خسار و لب
ہاں! مگر اک نرم اور پختہ دماغ
فکرِ صالح، پاک جذبے
دل وہ جس میں دھڑکنیں ملتی رہیں
آگ اُلفت کی جہاں جلتی رہے

۵۵

جو کبھی بُجھتی نہیں آندھی سے یا طوفان سے
دل کو گر حاصل نہیں یہ نعمتیں
مجھ کو پھر ہوتی ہے وحشت ہمدمو !
عارضِ رنگیں سے، شیریں لب سے پیاری آنکھ سے

True beauty

تھومیس کیریو

کتاب لکھنو، جلد ۵، شمارہ ۱۲
ڈسمبر ۱۹۶۶ء

ہمترجمہ حصہ اول صفحہ ۲۲۳ پر دیکھئے

تلوک چند محرومؔ

آج اور کل

(۱)

قسمت ہماری راہ میں گر ہنس کے آتی ہو
اور سامنے ہمارے گُلِ تر بچھاتی ہو
خواہش کے ہاتھ ان کے لئے کب بڑھائیں ہم
اے مہرباں! آج ہی ان کو اٹھائیں ہم
لیکن اگر وہ چیں بہ جبیں ہو کے آتی ہو
اور آنے والے رنج سے ہم کو ڈراتی ہو
پھر ہم کو لانا چاہیئے کب چین میں خلل!
لانا پڑے ضرور تو کل، اے عزیز، کل

(۲)

وہ جن سے ہم نے صدمے اُٹھائے ہیں بے شمار
ہوتے ہیں آج رحم کے گر ہم سے خواستگار
ہاں کب کریں قصور کو ان کے معاف ہم
اے غمگسار آج ہی، کہتے ہیں صاف ہم
انصاف اگر کہے کہ انھیں دو سزا ضرور
غصّہ کہے معاف نہ ہرگز کرو قصور
غصّے میں آ کے ان کو ملامت کریں تو کب؟
کل اے مرے جناب! رہے کل پہ یہ تعب

(۳)

وہ لوگ جن کو ہم نے بنایا ہے قرض خواہ
اور اب ہمارے ہاتھ پہ رکھتے ہیں وہ نگاہ

اس رنج سے ہم اپنے تئیں کب بَری کریں | اے شاد کام، جلد کریں، آج ہی کریں
لیکن ہمارے قرض کے نیچے ہیں جو غریب | کرتے ہیں عُذر اپنی تباہی کا بد نصیب
کب لائیں ان کی وعدہ خلافی خیال میں | کل اے رفیق، کل ہی پڑیں اس ملال میں

(۴۸)

ہاں فرصتِ فراغ دل و کارِ خیر کا! | ہوتا جو وقت ہے وہ ٹھہرتا نہیں ذرا
اے ہمنشیں! پھر آنے کی اس کے نہ رکھ امید | اس وقتِ خوش کو آج ہی کہدے خوش آمدید
لیکن یہ غصّہ والم و رنج و غم جنھیں | کہنے سے اہلِ ہوش کے بیہودگی کہیں
آتے ہیں جلد حق سے یہ مانگیں نہ آئیں وہ | آئیں تو دوست! کل ہی ہمیں منھ دکھائیں وہ

(بچوں کی دنیا)

ہم ترجمہ حصہ پنجم صفحہ ۷۰ پر دیکھیے۔

دھرم سروپ

محبّت ہی کی خاطر جانِ من مجھ سے محبّت کر

(۱)

میرے محبوب کرنا ہے اگر مجھ سے محبّت تو
محبت ہی کی خاطر جانِ من مجھ سے محبت کر
نہ ہو قرباں اداؤں پر مرے۔ میرے تبسّم پر
نہ میرے حُسنِ رنگیں پر نہ اندازِ تکلّم پر
نہ ہم آہنگیٔ فطرت کے سحرِ جانفزا پر جا
نظر افروز ہیں نازو ادائے حُسن کے جلوے
حلاوت ہے تکلّم میں تبسّم ہے نشاطِ جاں
محبّت کی مگر یہ صُورتیں قائم نہیں رہتیں
اُتر جاتی ہے رونق روئے رنگیں سے جوانی کی
تبسّم کی چمک میں فکر و اندیشہ سے اُٹھتی ہیں
لبوں پر کچھ لکیریں سی غمِ ہستی کے سایوں میں
تکلّم کا ترنّم، نغمگیٔ احساسِ قُربت کی

اگر ہیں مُنسلک حُسن و شباب جسم ہی سے تُو
ثبات اپنی محبت کو کبھی حاصل نہیں ہو گا
یہ کم ہوتی چلی جائے گی جیسے وقت گزرے گا

(۲)

مرے محبوب تو مجھ سے نہ کر ایسی محبت بھی
ہو شامل جس محبت میں کوئی عنصر ترحّم کا
محبت جو مرے اشکوں کو میرے عارض و رُخ سے
نہایت نرم و نازک لمس لب سے چوم لیتی ہے
تجھے پا کر تو میں دکھ درد اپنے بھول جاؤں گی
ترے دامانِ راحت میں نہ ہوں گی اشکبار آنکھیں
تو کیا محروم ہو جاؤں گی پھر تیری محبت سے؟
مرے محبوب تو ہرگز نہ ایسا پیار دے مجھ کو
بنا جس کی ہو میری بےبسی پر تیری عظمت پر
مرے محبوب کرنا ہے اگر مجھ سے محبت تو
محبت ہی کی خاطر جانِ من مجھ سے محبت کر
وہ روز افزوں محبت کر ابد تک جو رہے قائم

جون ۱۹۷۸ء

ہمترجمے حصہ اول صفحہ ۱۸۹ حصہ دوم صفحہ ۱۳۲ اور حصہ سوم صفحہ ۱۱۹ پر دیکھئے

سیّد محمد ذکریا

ایک افریقی غلام کا خواب

ہاتھ میں اپنے درانتی لے کے بیکس سو گیا
چاولوں کا ڈھیر اس کے سر کے نیچے تھا دھرا
جسم ننگا اس کا کھلا اور بال تھے بکھرے ہوئے
خواب میں وہ بے وطن اپنا وطن دیکھا کیا
بال بچے پھوٹ کر روئے ملے اس سے گلے
اور پھر ہونے لگے بے ساختہ شکوے گلے
بیوی اور بچوں کی اُلفت کے مظاہر دیکھ کر
آنکھ سے آنسو کے چشمے ریت پر بہنے لگے
ایڑ دے کر جب وہ راکب جانبِ نیچر چلا
اس کا مرکب زین سے سونے کی تھا یکسر سجا
اور وہ شمشیر جو راکب کے تھی زیبِ کمر
اسپ کی ہر جست پر دیتی صدا اُسے جانفزا

سوئے نیچر صبح سے وہ شام تک چلتا رہا
سُرخ جھنڈوں کی طرح چڑیوں کا دیکھا جمگھٹا

تھا سمندر زور پر املی کے جس جا تھے درخت
یعنی اب وہ کافروں کے جھونپڑے تک آ گیا

رات بھر شیر اور ترڈس کی وہ گرج سُنتا رہا
تھا درختوں کے تلے اک جنگلی سُوّر بھی چھپا

الغرض یہ سین دیکھے اس نے اپنے خواب میں
بعد ازاں نظروں سے سارے ہو گئے منظر ہوا

گیت آزادی کا گویا گا رہا تھا جُھومتا
پتّا پتّا اس بیاباں کا زبانِ حال تھا

جب کہ یہ سُن پائے اس نے اپنی آزادی کے گیت
اس طرح کچھ خوش ہوا وہ سوتے سوتے ہنس پڑا

دُھوپ سے اور مار سے مالک کی کب بیدار ہو
رُوح سے خالی کسی کا جب کہ جسمِ زار ہو

(طلبائے سٹی کالج کا سہ ماہی رسالہ " الموسیٰ " (پہلا شمارہ))

ہم ترجمے حصہ اول صفحہ ۵۷، حصہ دوم صفحہ ۸۳ اور حصہ پنجم صفحہ ۴۰ پر دیکھیے

جگن ناتھ جی کھنہ صفیؔ

راحتِ تنہائی

ہے وہ خوش انسان جس کی خواہشیں محدود ہیں
جس کے ہے دل کو سکوں اور فکر سب مفقود ہیں
چند ایکڑ ہی زمیں جس کی فقط جاگیر ہے
اطمینان و راحت قلبی کی جو تصویر ہے
جس کے برتن دودھ سے رہتے سدا لبریز ہیں
لہلہاتے فصل ہیں اور کھیت ہیں زرریز ہیں
اپنی تن پوشی کی خاطر لیتا ہے بھیڑوں کی روں
بے نیازی کے سبب رہتا ہے دائم پُرسکوں
گرمیوں میں پیڑ سایہ دار جس کو ہیں نصیب
آگ ہے جس کو میسّر سردیوں میں اے حبیب
جس کے گھنٹے اور دن ہفتے، مہینے اور سال
ہیں اُڑے جاتے خوشی سے یہ ہے قسمت کا کمال

دولت صحت سے مالا مال ہے معمور ہے
چین سے ہے کاٹتا دن جس کا دل مسرور ہے
زندگی بے لوث ہے اور پُر سکون و پُر قرار
رات کو سونا ہے میٹھی نیند وہ پاؤں پسار
ہے جسے شغف مطالعہ محض تفریح کے لئے
یادِ حق کرتا ہے جتنا رات دن میں بن سکے
آرزو میری ہے میری زندگی بس یوں کٹے
گوشۂ تنہائی کی راحت جو ہے مجھ کو ملے
اور جب آئے فرشتہ موت کا لینے مجھے
رونے والا ہو نہ کوئی بر سرِ بالیں مرے
اس جہاں کو الوداع کہہ کر چلوں چپ چاپ میں
جو چھڑایا جائے گا چھوڑوں خوشی سے آپ میں
میں چلوں خوش خوش جہاں سے ہو نہ کچھ دل کو ملال
ایک ایشر ہی صفؔی بس ہو مرا پرسانِ حال

رسالہ اُدم دہلی جون سنہ ۱۹۶۷ء

ہمتر جمے حصّہ دوم صفحہ ۱۳۰ حصّہ سوم صفحات ۸۶ ، ۸۸ اور حصّہ چہارم صفحہ ۵۶ پر دیکھئے۔

سید شمس الدین

کور چشمی

کچھ طبیعت نے گُل کھلائے تھے — لبِ خاموش کِھلنے پائے تھے
کہ گلستاں مرا لُٹا ہیہات — میری آنکھوں میں ایک ہیں دن رات
شاعری تھی عطیۂ قدرت — اس سے کرنی تھی قوم کی خدمت
میری بینائی کیا ہوئی رخصت — ہو گیا لُطف زندگی غارت
عبد و معبود کی نہ کی خدمت — دل کی دل ہی میں رہ گئی حسرت
جینا مرنا ہے ایک اب میرا — کاش شاعر نہ میں ہوا ہوتا
حشر کے دن جواب کیا دوں گا — جو تھا کرنا مجھے نہ میں نے کیا
مجھ سے مالک حساب کیا لے گا — مجھ کو معذور جب کہ اس نے کیا
عرش سے ناگہاں یہ آئی صدا — وہ نہیں بھوکا تیری خدمت کا
سینکڑوں ہیں کہ اک جگہ بیٹھے — اپنے مالک کا نام ہیں جپتے
نہیں موقوف تندرستی پر — طاعتِ خاصِ ربِّ جن و بشر
وہ بھی بندے ہیں اس کی مرضی کے — جو ہیں چُپ چاپ در پہ اس کے کھڑے

(سٹی کالج طلبا کا سہ ماہی رسالہ "المونسی" (پہلا شمارہ))

ہمتر جمے حصہ پنجم صفحات ۲۱، ۲۳ اور حصہ ہفتم صفحہ ۹۳ پر دیکھئے

دھرم سروپ

ہوس و عشق

اے حسینہ مجھے ڈر ہے کہ ترے ہونٹوں میں
شعلگی ہے جو ہوس کی وہ بھڑک اُٹھے گی
ہونٹ اپنے جو مرے ہونٹوں پہ تو رکھ دے گی
تیرے انداز میں لہجے میں ادا میں تیری
وہی اُٹھتا ہوا شعلہ ہے تری خواہش کا
جسم سے جسم کی محدود تمنّائے وصال
مجھ کو ڈر ہے کہ میں اس آگ میں جل جاؤں گا

(۲)

رُوح کے حُسن کا شیدا و پرستار ہوں میں
بس بدن ہی کی کشش عشق نہیں ہے میرا
رُوح کی پاک محبّت ہے مرے دل میں ابھی
نُور ہی نُور ہے شعلہ نہیں اس میں کوئی

خاک کر دے جو جلا کر کسی پروانے کو

٭

بھینٹ کرتا ہوں ترے قدموں میں یہ پیار اپنا
پاکئ رُوح کے جذباتِ مسرت زا کا
میرے اس پیار کا، آتو بھی بدل پیدا کر
میرے اس پیار کا تو دل میں کوئی خوف نہ لا

جولائی ۱۹۷۸ء

پی، بی، شیلے

ہمترجمہ سازمغرب حصہ سوم صفحہ ۱۶۶ پر دیکھئے

سید راحت حسین فلسفی

قناعت

مرا عالم تصوّر اک ہرا بھرا جہاں ہے
کوئی حد نہیں خوشی کی کہ خیالِ حکمراں ہے
نہیں آرزوئے دولت، نہ طمع ہے مال و زر کی
کہ خزانۂ توکّل مرا گنج بے کراں ہے
جو طلب کیا ہوس نے، مجھے دی گئی قناعت
جسے دیکھنا ہو دیکھے، مرا گھر ہے کیا جناں ہے!
نہ تو جاہ کا ہے سودا نہ خلش ہے رنج و غم کی
مرے دل کا چین دیکھو کہ بہارِ بے خزاں ہے
مری حاجتیں ہیں تھوڑی، مری آرزوئیں ساری
جو لُٹا نہیں سفر میں، مرے دل کا کارواں ہے
جو حریص مال و زر ہیں، انُھیں فکر رات دن ہے
کبھی جان کا ہے جوکھم، کبھی مال کا زیاں ہے

کبھی ملک کے ہیں جھگڑے کہیں جنگ کے ہیں ساماں
کہیں فتح کے ہیں نعرے، کہیں شور الاماں ہے
کوئی قتل پر تُلا ہے کہ رقیب سے ہیں لاگیں،
کہیں سازشیں دغا کی، کہیں خنجر و سناں ہے
کوئی قوم مٹ رہی ہے کہ فساد دہر میں ہے
کہیں جبر کی حکومت، کہیں جور قہرماں ہے
کوئی مال مار لایا، کوئی کھو کے آیا دولت
کہیں لوٹ کی خوشی ہے، کہیں نالہ و فغاں ہے
ہیں غرض دلوں پہ بھاری یہ تفکّراتِ دنیا
وہ سبک مرے لئے ہے جو تمہیں بہت گراں ہے
نہ حسد کسی کا دل میں، نہ کوئی مرا ہے دشمن
نہ تو مال کا مجھے ڈر، نہ تو مجھ کو خوفِ جاں ہے
تُو ہے موت سے ہراساں کہ ہے سیم و زر کا بندہ
میں جری ہوں، تُو ہے بزدل، میں قوی، تُو ناتواں ہے
جو دیا خدا نے مجھ کو وہ بہت مرے لئے ہے
ہیں رضا پہ اس کی شاکر، کہ بڑا وہ مہرباں ہے
تُو ہے مال دار لیکن نہیں صبر تیرے دل کو
تُو غریب، میں غنی ہوں، یہ عجیب داستاں ہے

جو تھا کاوشوں کا حاصل، اُسے کھو یا تُو نے آخر
ہے عبث کی جاں فشانی، تری فکر رائگاں ہے
یہ ترانہ گا رہا ہے مرا جذبۂ قناعت
کہ سکونِ دل سے بہتر نہیں دولتِ جہاں ہے
نہیں دھیان میں کچھ آتا ہے وقارِ مالِ دُنیا
مرے وہم خوش نوا کا سرِ عرش آشیاں ہے
تری شاعری کے چرچے ہیں تمام فلسفی اب
تری دُھوم ملک میں ہے کہ غضب کا خوش بیاں ہے

ترانۂ مغرب ۲۴ راکتوبر ۱۹۲۹ء

ہمترجمہ سازِ مغرب حصّہ سوم صفحہ ۲۴۴ پر دیکھئے

تلوک چند محرومؔ

چھوٹی چھوٹی چیزیں، چھوٹے چھوٹے کام

(۱)

قطرہ ہائے حقیر پانی کے
مِل کے بنتے ہیں بحرِ بے پایاں
ریت کے ذرّہ ہائے بے مقدار
خوبصورت زمیں کے ہیں ساماں

(۲)

چھوٹے چھوٹے یہ وقت کے لحظے
جن کی کم مائگی ہے سب پہ عیاں
آخر کار انہی سے بنتی ہیں
سال ہائے دراز اور صدیاں

(۳)

چھوٹے چھوٹے قصور انساں کے
رُوح کو کر ہی دیتے ہیں گمراہ
راہِ نیکی سے اُس کو بھٹکا کر
ڈال دیتے ہیں درمیانِ گناہ

(۴)

مہربانی کے چھوٹے چھوٹے کام
چھوٹے الفاظ جن میں ہو شفقت
اسی دنیا کو ہیں بنا دیتے
آسمانی بہشت کی صورت

(۵)

مہربانی کے چھوٹے چھوٹے لفظ بخش دیتے ہیں دل کو کیا فرحت
مُسکراہٹ ذرا سی ، دیکھو تو کیسے ہوتی ہے مایۂ راحت

(۶)

مہربانی کے چھوٹے چھوٹے کام جن پہ آتی نہیں ہے کچھ لاگت
جس جگہ ان کا دم ہے ناموجود زندگی بے مزہ ہے، بے راحت

(۷)

مہربانی کے چھوٹے چھوٹے کام در حقیقت ہیں گوہرِ شہوار
ہیں یہ انمول بے بہا ہیں یہ نظر آتے ہیں گرچہ بے مقدار

(بچوں کی دنیا)

ہمترجمہ سازِ مغرب حصہ چہارم صفحہ ۲۲۸ پر دیکھئے

سعید الدین خاں سعید

فرانس کے لشکر کا ایک قصہ

حملہ جو رٹسبن پہ فرانسیسیوں نے کیا
ہنگامہ خیز شعلہ فشاں صبر آزما

ٹیلہ پر ایک چھوٹے جو اک میل دُور تھا
فاتح نپولین شہ جانباز تھا کھڑا

گردن جھکی تھی آگے جو پاؤں کشادہ تھے
رُخ تھا کشیدہ پشت پر دو ہاتھ تھے بندھے

تعدیل جو تھی کرنی خیالات جبر سے
بل تھے اگر جبیں پہ تو ابرو بھی تھے کھنچے

تدبیر میں اس کی برتری، حاصل جنہیں رہی
مل جائیں خاک میں نہ کہیں، خوف تھا یہی

فکر اس کی تھی کہ "لانس" دکھائے نہ بزدلی
منھ پر گرہ تھی کے تان کے سینہ جو تھی کھڑی

توپوں کی آگ، بیچ دھوئیں کے مقام سے
نکلا سوار گھوڑے پہ تیزی سے پھاند کے

ڈھیلی لگام کی، لگا سرپٹ یہ دوڑنے
تا ایں کہ پہنچا خیر سے ٹیلے کے وہ ورے

نیچے وہ مسکراتا، خوشی سے اُچھل پڑا
گردن سے لگ کے گھوڑے کی سیدھا کھڑا رہا

شک شبہ ذرا سا بھی اس امر میں نہ تھا
قاصد یہ زخم خوردہ تھا لڑکا تھا تیز تھا

بھینچے تھے اتنی سختی سے ہونٹ اپنے، یار نے
ایک قطرہ کیا مجال لہو کا نکل پڑے

ٹکڑے کچھ اس قبیل سے سینے کے دو ہوئے
آتے نظر نہ تھے یہ، جو دیکھے نہ غور سے

"شاہ فلک سریر" کہا اُس نے با ادب — فتح آج رُستمن ہوا ہے بہ مقتل اب
سالارِ فوج چوک میں رہ دیکھتا ہے اب — تشریف فرما ہوں ذرا شہ جلد اس سبب
تا دیکھ لیں عقاب علم اپنا پَر فشاں — اُس جا جہاں بٹھایا تھا دل نے میرے عیاں
آنکھیں چمکنے شہ کی لگیں ہو کے شادماں — شعلوں کے جیسے پَر لگے منصوبے تھے نہاں
روشن فکر تھی شاہ کی مگر ایک خیال نے — بے نُور و نم کیا اِسے کچھ اس طریق سے
پردہ ہو جیسا آنکھ پر ماں کی عقاب کے — جب سانس زخمی بچے کا اُکھڑے کراہتے
کیا زخمی ہو گئے اے میرے "شیر بہتریں" — دھکا خودی کو اس کی جو پہنچا کہا "نہیں"

شاہا ہوا ہے قتل یہ مسکین بالیقیں
اور ہو کے جاں بحق گرا ہنستا ہوا وہیں

ہ مترجمہ سازِ مغرب حصہ ہفتم صفحہ ۲۴۵ پر دیکھیے

دھرم سروپ

اُداسی

آسماں صاف ہے بادل کا نشاں تک بھی نہیں
کرنیں سُورج کی لئے تازگی و نُورِ حیات
بحر و بر کے دلِ حسّاس کو گرماتی ہیں
دمبدم ناچ رہی ہیں متبسّم لہریں
سرخوش و مست و سبک پا و درخشندہ بدن
چھوٹے چھوٹے سے جزیروں نے اِدھر ساگر کے
اور برفیلے پہاڑوں نے بلندی پہ اُدھر
پہن رکھا ہے شعاعوں کا لباسِ زرّیں
اُجلی اُجلی ہے فضا جس کی چمک سے ہر سُو
اوج پر کوہ کی پیدا ہے جھلک اُودی سی
سطح پہ بحر کی لہراتی ہے نیلی چادر
کارواں جیسے ہو الماس کی کرنوں کا رواں

ارضِ غم کا نفس نرم و معطّر و لطیف
عارضِ ہر گُلِ خوابیدہ کو سہلاتا ہے
نغمہ برلب ہیں ہوائیں مترنّم ہے فضا
رس بھرے گیتوں کی کرتے ہیں پرندے برکھا
جوششِ امواجِ تلاطم نہیں اب شور بپا
نغمۂ زیست کی لَے بن گیا ہے ان کا خروش
وہ ہم آہنگی ہے ان نغموں میں لگتا ہے مجھے
کہ یہ سب ایک ہی آواز کے ہیں زیر و بم
کیفِ ہستی کی نشاط آفریں آوازِ بقا
شہر کا شور بھی اس جا تلک آتے آتے
گونج شہنائی کی بن جاتا ہے اک ہلکی سی
اور ہو جاتا ہے فطرت کے سُروں میں مدغم

(۲)

نہ سمندر میں رواں ہے کوئی کشتی نہ جہاز
اس کا پانی ہے شفّاف اتنا کہ آتی ہیں نظر
اُودی اور سبزہ وہ سب بُوٹیاں بحری جو وہاں
فرش پر گیسوئے سنبل کی طرح پھیلی ہیں
یوں لپکتی ہیں کنارے کو درخشاں لہریں

موج در موج رواں کاہکشاں ہو جیسے
جھلملاتی ہوئی برسات کی یا ہوں لڑیاں
کرنیں سورج کی شرر خیز ہیں یوں موجوں پر
بجلیاں کوندتی ہوں جیسے زمیں پر آکر
نور اور حسن کے اس منظرِ کیف آگیں میں
اُٹھتی ہر لہر سے ہے پیار کی جب میٹھی لَے
اور آہنگِ ترانہ سے ہے لبریز فضا
ریت پر میں لبِ ساحل ہوں اکیلا بیٹھا
ہوتا اس وقت جو ہم رُوح کو پاس مرے
جس کا دل ہوتا مرے سوزِ جگر کا ہم ساز
اور جو آپ ہی پا لیتا مرے پیار کی بات
زندگی میری بھی ہو جاتی حسیں اور شیریں

(۳)

لیک صد حیف کہ ہمت نہیں اب مجھ میں نہ آس
تنِ خستہ میں ہے مایوس مری جانِ حزیں
پاس میرے نہیں معراجِ خودی کی دولت
مجھ کو حاصل نہیں معراجِ خودی کی دولت
ہیچ سب ثروتِ کونین ہے جس کے آگے

اہلِ دل ڈوب کے خود اپنے میں پاتے ہیں جسے
اور پھر حلقۂ تنویرِ تجلّی و جلال
سر پہ پہنے ہوئے کرتے ہیں دو عالم میں خرام
نہ مجھے زورِ حکومت ہے نہ شہرت حاصل
نہ ملی پیار کی نعمت مجھے اس دنیا میں
نہ ہوئی مجھ کو کبھی فرصتِ آرام نصیب
اور لوگوں کے تو حصّے میں خوشی آئی ہے
زندگی کرتے ہیں ہنس ہنس کے وہ کہتے ہیں حیات
عیش و آرام کا اک سلسلہ ہے جام بہ جام
جانے کیوں ساقیٔ فطرت نے مگر میرے لئے
زہرِ غم بھر دیا ہے جام میں میرے لب تک

(۴)

سہتے سہتے ہوئی ہے درد کی شدّت میں کمی
وہ کسک اب نہیں باقی جو کبھی پہلے تھی
اب تو نرمی سی ہے مایوسی میں اپنی پیدا
درد و غم جیسے کہ ہو موجِ نسیمِ سحری
لہر نازک سی ہو یا بحر کی ساحل کے قریب
اس تھکے ماندے سسکتے ہوئے بچے کی طرح

روتے روتے جو زمیں پر ہی پڑا سو جائے
اور کچھ دیر بہالوں گا میں غم کے آنسو
غم اُٹھائے ہیں جو اب تک جو اُٹھانے ہیں ابھی
سرد گالوں کو بالآخر مرے سہلائیں گے
تازہ و گرم سمندر کی ہوا کے جھونکے
اُونچی اُٹھتی ہوئی لہروں کے وسیع دامن میں
فکر کی آخری رو ڈوبتی آئے گی نظر
اور پھر موت جب آئے گی دبے پاؤں تو
اس کے آغوش میں میں چین سے سو جاؤں گا

جون سنہ ۱۹۷۸ء

پی، بی، شیلے

ہمترجمہ ساز مغرب حصہ سوم صفحہ ۱۲۱ پر دیکھئے

سعیدالدین خاں سعیدؔ

بُلبل اور جُگنو

خوش نغمہ عندلیب کہ جس نے تمام روز
نغمے بکھیرے اپنے گلستاں میں دل فروز
ڈوبا ابھی تھا نغموں میں اور شام ہو گئی
بہتی رہی یہ موجِ طرب، رات آرہی
پھیلا اندھیرا اور تھا عالم سکوت کا
آنتوں نے قل پڑھی کہ دی بھوک نے ہوا
ہر سو نظر اُٹھائی غذا کی تلاش میں
دیکھی چمکتی دُور شئے اک ارتعاش میں
تابندگی نے اس کا دلایا اُسے یقیں
جگنو تھا جس کو کہتے ہیں مشعلچیٔ زمیں
جھپٹا فرازِ سرو سے جانب نشیب کے
کہ دوزخِ شکم اس بےچارے سے بھرے

نیت سے اس کی جگنو خبردار ہو گیا
تقریر اک فصیح کی اُس نے یہ برملا
تم کو بھی میری شمع یہ، کیا لگتی ہے بھلی!
بھاتی ہے جیسے مجھ کو تمہاری یہ مطربی!
میں چاہتا ہوں نغمہ تمہارا یوں ہی چلے
تم کو بھی ہو خیال کہ دیپک نہ یہ بجھے
جس رب نے تم کو دولتِ نغمہ ہے کی عطا
بخشی اُسی نے ہے مجھے یہ نعمتِ ضیا
تا، اپنے نُور سے میں، تم اسی اپنے نغمہ سے
دلکش بنائیں رات کو ہر ایک گوشے سے
بُلبل نے یہ بیان بلیغ اُس کا جو سُنا
تائید سے بھرا ہوا نغمہ سُنا دیا
دی قید سے رہائی بصد عجز و التجا
کھانے کا بندوبست کہیں اور کر لیا

ہمترجمے سازِ مغرب حصہ سوم صفحات ۵۹، ۶۱، اور ۶۳ پر اور حصہ ہفتم صفحہ ۵۱ پر دیکھیے

وفاؔ (شاگرد حضرت جلیلؔ)

انبساطِ زندگی

سبزۂ خوابیدہ پر ہے کیا بہار آئی ہوئی
کس نزاکت سے صبا پھرتی ہے اِتراتی ہوئی
سُن تو اے دل یہ ہوائے مست اٹھلاتی ہوئی
گونج کر کانوں میں کیا کہتی ہے شرماتی ہوئی

بے خودی میں کوکتی پھرتی ہے کوئل کو بہ کو
آتی ہے ہر نخل سے آوازِ پیہم تو ہی تو
بھینی بھینی آرہی ہے باغ سے پھولوں کی بُو
فیض سے ساقی کے شبنم کا ہے ہر قطرہ سبو

ٹھہر ہے گر تو نہ دیکھے چشمۂ آبِ رواں
جان لے اس کو غنیمت دیکھ دریا کا سماں
سبزۂ ساحل کی موجیں کرتی ہیں اٹھکھیلیاں
غم غلط ہوتا ہے جن کے دیکھنے سے بے گماں

غیر تو خوشیاں منائیں اور ہم غم میں اسیر
بلبلیں تو لطف اٹھائیں روئیں ہم اے ہم صفیر
نغمہ زن کبکِ دری اور خندہ زن برنا و پیر
اشک کیوں اپنے بہیں پھر صورتِ ابرِ مطیر

کبک کی وہ خوش خرامی ابر کی مستانہ چال
نغمۂ طوطی و قمری عشق کی پھر قیل و قال
راز رازِ سوزِ الفت کیا ہے کوئی خوش جمال
سچ بتا اے دل تجھے کس بات کا ہے یہ ملال

ختم کر اب سوزِ الفت آ ادھر بہرِ خدا
دیکھ تو کیسی ترنم بیز آتی ہے ہوا
وجد میں عالم تہ و بالا ہے سارا ہو چلا
اے دل غافل مرے اب بھی نہیں ہے چونکتا

عمر رونے کو پڑی ہے چھوڑ دے اب غم نہ کھا
انبساطِ زندگی کا لطف اے ظالم اٹھا
یاد رکھ قولِ وفا دع ماکدر خذ ماصفا
تو بھی خوش ہو کھیل ان سب کی طرح خوشیاں منا

(الناظر، جلد ۸، نمبر ۴۶، اپریل سنہ ۱۹۱۳ء)

ماخوذ از سروجنی نائیڈو

وفا صدیقی

فصلِ بہار اور یادِ یار

یاد تازہ کر کے لیتا ہے جگر میں چٹکیاں
اے پپیہے ہے بہت دل سوز تیری "پی کہاں"

لطف، عیش، آرام سارے ہو گئے خواب و خیال
اب نہ وہ پہلے کی باتیں ہیں نہ وہ دل چسپیاں

پھول پھل دونوں سے مالا مال اشجارِ چمن
آم کے پتوں پہ کیا شبنم کے قطرے ہیں عیاں

کیا گھٹا گھنگور ہے چھائی ہوئی چاروں طرف
بیچ میں کیا موجزن ہے چشمۂ آبِ رواں

ننھی ننھی بوندیں ساون کی یہ پھولوں کی مہک
ہو مبارک تجھ کو یہ دلکش فضائے بوستاں

میری نظروں میں فضائے بوستاں سب خاک ہے
پاس جب دلبر نہیں بیکار ہے سارا سماں

فصلِ گُل بیکار ہے لطفِ چمن بیکار ہے
لطفِ فصلِ گُل کہاں کیسی بہارِ گلستاں

(۲)

اے پپیہے پہپہانے سے تجھے کیا فائدہ
اس صدا سے آ کہیں سکتا ہے میرا دلستاں
اور بھی بھڑکا رہا ہے آتشِ فرقت مری
اے پپیہے کہہ کے میرے سامنے تو "پی کہاں"
مور کی آواز کو سُن کر تلاشِ یار میں
اور تڑپاتا ہے اُٹھ اُٹھ کر مجھے دردِ نہاں
چہچہے بلبل کے، کُوکُو کوئلوں کی چار سُو
اور بھی دل سوز ہے۔ تیری صدائے "پی کہاں"
ہو مبارک سب کو جشنِ شادیٔ فصلِ بہار
گیت گائیں بلبلیں کرتے ہیں ہم آہ و فغاں
ہوں فراہم لاکھ ساماں عیش کے پھر ہم کو کیا
دفترِ طومارِ غم ہے اپنے دل کی داستاں
اے وفاؔ یہ "پی کہاں" ہم کو ذرا بھاتی نہیں
دل جلوں کی اس سے ہو سکتی نہیں تسکینِ جاں

(الناظر نومبر ۱۹۱۸ء)

ماخوذ از نظم سروجنی نائیڈو

دھرم سروپ

آفتابِ محبت

ہے دن کے پاس فقط اک چراغِ مہر مگر
اس اک چراغ سے سب کائنات روشن ہے
جہانِ زیست کی سب چہل پہل سب رونق
غروب ہوتے ہی سورج کے ختم ہوتی ہے
ہزاروں شمعیں جلاتی ہے شب مگر پھر بھی
اندھیرا چھایا ہی رہتا ہے اس کے آنگن میں

(۲)

بس ایک لَو ہے محبت کی دل کے دامن میں
تمام زندگی اس ایک لَو سے ہے روشن
نشاطِ ہست کی رنگینیٔ و درخشانی
بجھے یہ لَو تو ہو سب غرق غم کے سایوں میں
جلائے فکر کے لاکھوں دیئے دماغ مگر
بھٹکتی رہتی ہے تاریکیوں میں رُوحِ حیات

The night has a thousand Eyes

E. W. Bourdilon

(جولائی ۱۹۷۸ء)

ہم ترجمے سازِ مغرب حصہ سوم صفحہ ۲۰۵ اور حصہ پنجم صفحہ ۳۹ پر دیکھئے

اعظم سحاب

طائرِ فلک

آسماں کی محفلوں میں طائرِ نغمہ سرا کیا تجھے بھاتا نہیں یہ خاکدانِ غم نما ؟
رفعتِ افلاک میں بھی یا ترے قلب و نظر آشیاں کے حال سے ہوتے نہیں ہیں بے خبر ؟
اوس کے گلرنگ موتی زینتِ دامن کئے تیری بزمِ آشیاں ہے منتظر تیرے لئے
موجزن ہوتا ہے تیرے دل میں جوشِ آرزو
تیر کی مانند جب سوئے زمیں آتا ہے تو

مائلِ پرواز ہو اک جذبۂ سرشار سے منزلیں آگے ہیں تیری سرحدِ افکار سے
ہاں دمِ پرواز بھی ہے تو اسیرِ آشیاں تیری ہر لَے میں نشیمن کی محبت ہے نہاں
کس قدر کیف آفریں یہ نغمۂ پرواز ہے
اک جہانِ صبحِ رنگیں گوش بر آواز ہے

بے نیازِ رنگ و بُو ہے تیرا لحنِ دل نشیں تیری موسیقی رہینِ موسمِ رنگیں نہیں

تیری سرمستی ہے پنہاں لرزشِ پرواز میں
سرمدی نغمے لرزتے ہیں تری آواز میں

کُنجِ گلشن میں نہیں تو بلبلِ حسرت نوا
تُو فلک کی نُور افشانی میں ہے نغمہ سرا

گیت برساتا ہے تو دُنیا پہ ہنگامِ سحر
تُو زمیں پر ہے امینِ عظمتِ فکر و نظر

آشیاں پرواز میں بھی تجھ کو دامن گیر ہے
تو زمین و آسماں میں رشتۂ زنجیر ہے

علی گڑھ میگزین ۶۷-۱۹۶۶ء

ورڈزورتھ

ہمترجمہ سازِ مغرب صفحات ۹۲، ۹۳ پر دیکھئے۔

سید اسد اللہ عباسؔ

طرزِ نشاطِ زندگی

حقیقت میں وہ کتنا خوش نصیب انسان ہے، عباسؔ
نہ پہنا طوق جس نے اپنی گردن میں غلامی کا
رہا کرتا ہے جس کو زندگی میں راستی کا پاس
حوادث کے مقابل راست بازی جس کا ہے شیوہ
رکھا کرتا ہے قابو میں سدا جو خواہشات اپنی
ہمیشہ جو رہا کرتا ہے مرنے کے لئے تیار
رہی جس کو امورِ دُنیوی سے کامل آزادی
نہ رنجِ لعن وطعن اس کو، نہ حُبِّ مال وزر زنہار
چہ میگوئیوں سے لوگوں کی جس کو کچھ نہیں مطلب
ضمیرِ پاک اس عالم میں ہے جس کا بڑا رہبر
خوشامد گر کے کوئی جس سے لے سکتا ہے دولت کب
عدو افلاس سے بھی فتح پا سکتا نہیں جس پر

بُرائی سے کہ خوش بختی سے رُتبہ جس نے پایا ہے
حسد اس پر نہیں کرتا نہ بیجا مدح کا حامی
دول کی جو سیاسی نت نئی چالوں سے کورا ہے
ہے نیکی کے طریقوں سے بخوبی جس کو آگاہی

ہے شغلِ روز و شب جس کا عبادت حق تعالیٰ کی
عطیوں سے زیادہ ہے جو طالب فضلِ مولیٰ کا
صدیقِ منتخب کے ساتھ یا پڑھ کر کتاب اچھی
جو دن کی خاطریں یوں کر کے خوش کرتا ہے دل اپنا

یہی انسان آزادی کا حامل ہو کے ہے خوشحال
امید اس کو ترقی کی نہ خوف اس کو تنزل کا
نہ رکھنے پر بھی کچھ شے ہے حقیقت میں وہ مالا مال
اراضی کا نہیں، ہے بلکہ اپنے نفس کا آقا

(سب رس، ستمبر ۱۹۴۰ء)

منظوم ترجمہ
"The character of a Happy life"

ہم ترجمے ساز مغرب حصہ سوم صفحات ۵، ۳، ۷ اور حصہ چہارم صفحہ ۳۱۹ پر دیکھئے۔

بقائے حسن

نشاطِ جاوداں ہے ہر حسیں شئے
جمال اس کا نگاہِ پاک بیں میں
مسلسل بڑھتا ہی رہتا ہے ہر دم
زوالِ حسن ممکن ہی نہیں ہے
بقا حاصل ہے تو بس حُسن ہی کو

جولائی ۱۹۷۸ء

ترجمہ ساز مغرب حصہ سوم صفحہ ۱۷۳ پر دیکھئے

شاہد صدیقی

نمودِ سحر

نسیمِ صُبح پھر اٹکھیلیاں کرتی ہوئی آئی
فضا میں زندگی کی رُوح سی بھرتی ہوئی آئی

فضاؤں کی طرف جا کر کہا یہ ناخداؤں سے
وطن کی جستجو میں رہنے والے پیشواؤں سے

اُٹھو اور اُٹھ کے پھر اک بار آغازِ سفر کر دو
بہت آساں ہے، غربت کا زمانہ مختصر کر دو

زمیں کی سمت جا کر اس کو یہ پیغام پہنچایا
یہ خوابِ سرگرانی تا بہ کے اب دن نکل آیا

کہا یہ قافلہ والوں سے جا کر ریگزاروں میں
سفر کے واسطے تیار ہو جاؤ قطاروں میں

مڑی صحرا کی جانب اور اسے یہ بات سمجھائی
کہ تو کیوں چپ ہے، استقبال کی ساعت قریب آئی

تری شاخوں میں اب تک ایک رنگِ ناتوانی ہے
سحر ہے اور کتنی خوشنما، کیسی سہانی ہے
ہلایا جا کے پھر ان طائروں کے آشیانوں کو
جو تھے سوئے ہوئے سب بھول کر اپنے ترانوں کو
کہا ان سے تمہارے چہچہوں کی پھر ضرورت ہے
نمودِ صبح کیا ہے ایک اعلانِ مسرت ہے
بڑھی پھر گاؤں کی جانب کہا جا کر کسانوں سے
کہ اب رحمت برسنے کو ہے تم پر آسمانوں سے
غرض پہنچا دیا ہر سمت اک پیغامِ بیداری
پلایا نیند کے مارے ہوؤں کو جامِ بیداری
مگر افسوس جب گورِ غریباں کی طرف گزری
مآلِ زندگی، شہرِ خموشاں کی طرف گزری
تو بولی ہاں تمہارے واسطے ہے وقت سونے کا
ابھی سوتے رہو موقعہ نہیں بیدار ہونے کا

لانگ فیلو

(ارم ، اگست سنہ ۱۹۴۳ء)

---

*ترجمہ ساز مغرب حصہ اول صفحہ ۱۰۹ پر دیکھئے

عطاؔ اللہ کلیمؔ

فردوسِ وطن

جس سرزمیں میں خوف و خطر کا گذر نہ ہو
جس سرزمیں میں حاکمِ جابر کا ڈر نہ ہو
جس سرزمیں میں علم کی پرواز ہو بلند
جس سرزمیں میں فرقہ پرستی کے ہوں نہ بند
جس سرزمیں میں بات ہو آئینۂ خیال
جس سرزمیں میں فکر رہے تشنۂ کمال
جس سرزمیں میں عقل نہ گم کردہ راہ ہو
جس سرزمیں میں رُوح سے اس کا نباہ ہو
اس جنّتِ نظر میں بسیں میرے ہم وطن
گہوارۂ طرب میں رہیں میرے ہم وطن

(ہمایوں، اگست سنہ ۱۹۳۰ء)

ترجمہ از گیتانجلی

ہم ترجمے ساز مغرب حصہ ششم صفحہ ۹۱ اور حصہ ہفتم صفحات ۹۵، ۹۶، ۹۷ پر دیکھئے۔

دھرم سروپ

میرے بعد

اے مرے محبوب مرے بعد تم میرے لئے
مت اُگانا پھول بھی کوئی نواحِ قبر میں
خود بخود اُگ آئیگی مرقد پہ جو سرسبز گھاس
اور اس پر اوس کے قطرے قطار اندر قطار
یاد آؤں میں تمہیں تو یاد کر لینا مجھے

نوحہ مت کرنا نہ گانا گیت کوئی سوگ کا
یا کوئی سرو و صنوبر سایہ کرنے کے لئے
دے گی وہ تسکین و راحت رُوح کو میری سدا
روشنی آنکھوں کو دیں گے دل کو فرحت اور سکون
اور مجھ کو بھول جاؤ تو نہ کرنا اس کا رنج

(۲)

میں تو ہونگی ماہ و سال و روز و شب سے بے نیاز
گرمی سردی کا نہ ہوگا مجھ کو کچھ احساس بھی
میں نہ سن پاؤں گی بلبل کا سرودِ درد و غم
ایک رنگیں خواب جس سے ہوگی مجھ کو آگہی

دھوپ سے مطلب کوئی ہوگا نہ مجھ کو چھاؤں سے
میں نہ دیکھوں گی چمن میں رونقِ فصلِ بہار
زندگی میرے لئے اک دھندلکا ہوگی مدام
تم مجھے یاد آؤ گے تو یاد کر لوں گی تمہیں

بھول بھی جاؤں گی تو اس کا نہ ہوگا کوئی رنج

S. G. Rosetts (جولائی ۱۹۴۸ء)

ہمترجمہ ساز مغرب حصہ سوم صفحہ ۱۶۸ پر دیکھئے

حافظ محمد یعقوب اَوجؔ گیاوی

گوشۂ تنہائی

کیا خوش قسمت ہے وہ انساں
جس کو نہیں اندوہ نہ حرماں
تنہائی ہے مونس و ہمدم
رنج سے خالی فکر سے بے غم

فکر و الم کا آنا کیسا
غم کا داغ اُٹھانا کیسا
راحت و صبر و سکوں ہے حاصل
گوشۂ خاطر فرحت منزل

رات کو میٹھی نیند میسّر
دن کو باغ کا دلکش منظر
کب ہے خوف خزاں سے ترساں
طبع ہے شاداں قلب ہے حرماں

بے فکری کا لُطف نیا ہے
گوشۂ تنہائی میں مزا ہے
فکر کا غم کا نام نہیں ہے
رنج و الم سے کام نہیں ہے

دُنیا کا ہے منظر فسانی
ٹھہرے کیوں کر بہتا پانی
آنکھوں پہ کب تک پردۂ غفلت
دیکھ یہ گھر ہے مقامِ عبرت

کوئی جگہ دیکھی نہیں یکسر
گوشۂ تنہائی سے بہتر
یہ ہے رشکِ صحن گلستاں
یا ہے بہار روضۂ رضواں

دیکھیں کب رہبر ہو مقدر
دیکھیں کب طالع ہو یاور
عمرِ دراز چین سے گزرے
مر جائیں تو کوئی نہ روئے

جذباتِ اوجؔ، جلد اول
(سنہ اشاعت ندارد)
۱۹۱۴ء کے بعد شائع ہوئی ہے۔

سید راحت حسین فلسفی

ندّی

کس شان و تمکنت سے لہراتی آ رہی ہوں
حُسن و ادا کا اپنے جلوہ دکھا رہی ہوں
مرغابیوں کے گھر سے آتی ہوں تازہ دم میں
حُبِّ وطن کا مژدہ ان کو سُنا رہی ہوں
منزل مری کڑی ہے جانا ہے دُور مجھ کو
دامن جھٹک کے نکلی، یہ جادہ جا رہی ہوں
کیا دم جو کوئی روکے بڑھ کر مری روانی
سیلِ فنا جلو میں خاموش لا رہی ہوں
رُخ پر جو میرے آیا نام و نشاں مٹایا
کاٹے پہاڑ میں نے ساحل گرا رہی ہوں
نکلی میں جھاڑیوں سے منہ پر نقاب ڈالے
مُرجھائی پتیوں کے انبار لا رہی ہوں
گذری پہاڑیوں سے دیکھے ہیں پل ہزاروں
آبادیوں کی منزل طے کرتی آ رہی ہوں

آبِ رواں نے میرے اک رُوح پھونک دی ہے
لہرا اُٹھی ہے سبزہ جادو جگا رہی ہوں
جذبِ زمیں کی قدرت گیا ناچ ہے نچاتی
لے جاتی ہے جدھر کو میں دوڑی جارہی ہوں
گدلا ہے میرا پانی، چلتی ہوں شور کرتی
جوگن میں بن کے آئی، راگ اپنا گا رہی ہوں
ذرّے مرے طلائی ہر موج نقرئی ہے
پرتو فگن ہے سورج میں اس پہ چھا رہی ہوں
طوفان خیز لہریں آلودہ جھاگ میں ہیں
غیظ و غضب کا اپنے عالم دکھا رہی ہوں
رفتار میری ٹیڑھی آتی ہوں پیچ کھاتی
دبتی دباتی مڑتی کتراتی جا رہی ہوں
بادِ رواں نے چھیڑا، غصّے میں اس سے الجھی
موجوں کا اپنی لشکر آ کے بڑھا رہی ہوں
کٹ کر پہاڑیوں سے چلتی ہوں میں مٹکتی
گرتی سنبھلتی جھکتی مستانہ آ رہی ہوں
بہتی ہوں کنکروں پر دیوانہ بڑبڑاتی
کیوں چھیڑے کوئی مجھ کو شکوے سُنا رہی ہوں

چلتی ہیں کشتیاں جب چھاتی پہ میری تن کر
کیا کیا غضب ہے آتا لیکن بچا رہی ہوں

قریے ڈبو دیئے ہیں دم میں ہزاروں میں نے
آبی لحد میں اپنی، مُردے سلا رہی ہوں

گھڑیال خواب میں ہیں، بوچے نہاں ہیں دیکھو
ہاں تاک میں اجل ہے غافل جتا رہی ہوں

منڈلا رہی ہے بہری بگلے ہیں ٹک لگائے
کس کس طرح لگی کو ان کی بجھا رہی ہوں

مچھوں نے جال ڈالا مچھلی مری نکالی
اُٹھتی ہے ہُوک دل میں غم ان کا کھا رہی ہوں

دہقان نے بنایا خرمن تھا اک لبِ جُو
لے آئی میں چُرا کر خوشے لٹا رہی ہوں

مڑکر بڑھی تو دیکھا، لہرا رہا ہے دریا
میں آپ اپنی ہستی لو اب مٹا رہی ہوں

کہُار میرا گھر ہے ندی ہے نام میرا
عالم کو میں فسانہ اپنا سُنا رہی ہوں

ترانۂ مغرب، ۲۴؍اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء

ہمترجمے ساز مغرب جلد اول صفحہ ۶۷ اور صفحہ ۷۳ پر دیکھئے۔

دھرم سروپ

زندگی کیا ہے تو اور میرے یہ جلوے کیا ہیں

زندگی کیا ہے تو اور میرے یہ جلوے کیا ہیں؟ / کب ہوا؟ کیوں ہوا؟ اور کیسے ہوا تیرا ظہور؟
اور پھر مجھ سے ہوئی تیری ملاقات کہاں؟ / راز سربستہ ہے تو میرے لئے لیکن میں
اتنا تو جانتا ہوں آئے گا اک دن وہ بھی / تجھ سے جب لینا ہی ہوگی مجھے آخر رخصت
ساتھ ہم دونوں کا برسوں سے رہا ہے اے حیات / ہم اکٹھے رہے اس دُنیا کے ہر دُکھ سکھ میں
درد اُٹھتا ہے بچھڑتے ہیں جو پیارے ساتھی / دُکھ بھری ہوگی جُدائی کی گھڑی اپنی بھی
آہ بے ساختہ اک منہ سے نکل جائے گی / اور پلکوں پہ اُتر آئے گا اک آنسو بھی
الوداع اس طرح کہنا نہیں منظور مجھے / جب بھی جانا ہو دبے پاؤں چلی جانا بس
اپنے جانے سے خبردار نہ کرنا مجھ کو / ہاں مگر خُلد صفت اک نئی دنیا میں مجھے
مسکراتے ہوئے پھر خرم و شاداں ملنا / اک نئے دورِ رفاقت کو لئے دامن میں

(۶ جون ۱۹۷۸ء)

Life I Know not what thou art

Mrs Barbauld

ہم ترجمے سازِ مغرب حصہ سوم صفحہ ۱۵۰ اور حصہ ہفتم صفحہ ۹۷ پر دیکھئے

سعید الدین خاں سعید

مُجاہد

جو گھر لا کے لاشِ مجاہد اُتاری
نہ کی اُس کی بیوی نے کچھ آہ وزاری
جو سکھیوں پہ ظاہر ہوا ضبط بھاری
کہا یہ جئے گی جو ہوں اشک جاری

(۲)

گئِں اُس کے جو گائیں تو بولیں یہ ساجن
تھا سچّا محب اور شایستہ دشمن
وہ پیارا تھا ایسا کہ پیارا تھا درشن
مگر تھی وہ گُم صُم، کیا کچھ نہ شیون

(۳)

چلی لاش پر اک دوشیزہ شتاباں
ہٹا کر ادا کر دیا رُخ نمایاں!
مگر یہ بھی تدبیر، تدبیرِ بے جاں
کہ نم تک نہیں ہو سکیں اس کی مژگاں

دَدّا نے اُس کی جو تھی نوّے سالہ
دیا بھر تو آغوش میں اُس کا بچّہ
بہے اشک مانندِ سیلاب دریا
کہا "چاند میرے" رہوں گی میں بچّہ

ہمترجمہ سازِ مغرب حصہ سوم صفحات ۷۵، ۷۷ پر دیکھئے

اشرف رفیع

جمالیات

کسی کے لب پہ ہے تعریف پنجۂ مرجان — کسی کی جان ہیں ابھرے ہوئے گلابی گال
بجھانے کو ہوسِ دل کا شعلۂ لرزاں — کوئی ستاروں کی آنکھوں میں ہے برہم خیال

مگر یہ حسن بہت جلد کھونے والا ہے
ہوس کا شعلۂ نو سرد ہونے والا ہے

غلط کہے نہ کسی وقت بھی لبِ معصوم — مثالِ دامنِ مریم ہو پاک موجِ خیال
رگوں میں دل کی ہو خاموش خواہشوں کا ہجوم — ضمیر پر ہوں نمایاں شبیہہ استقلال

اسی میں صرف کرے گا جب اپنی فکر و نظر
رہے گا دل ترا ہر وقت ایک حالت پر

سمجھ لے خاک کے پتلے کی انتہا ہے غبار — بڑا خراب ہے اس حسنِ ظاہری کا مآل
دکھائی دیتے ہیں جس پر دوام کے آثار — وہ اس زمانہ میں جذبات پاک کا ہے جمال

یہ سرخ لب۔ یہ نگاہیں، یہ آتشیں رخسار
کیا جو غور تو ٹھہرے یہ سب کے سب بے کار

تھامس کیاریو* — سب رس، حیدرآباد مارچ ۱۹۶۱ء

---

*ترجمہ ساز مغرب حصہ اول صفحہ ۲۲۳ پر دیکھئے۔

دھرم سروپ

خالقِ فطرت

ہر شئے میں کائنات کی اک رُوح ہے رواں
ہر وقت ہر مقام پہ موجود ہے وہی

سب کاروبار ہست کی رونق اُسی سے ہے
دم سے اُسی کے گلشنِ ہستی کی ہے بہار

اُس ہی سے ہے خرام صبا، رنگ و بُوئے گل
اس ہی کے حُسن کی ہے کشش حرکتِ حیات

رُوح وجود، جانِ نمو، زندگی کی رو
یہ ذات خود خدا کی ہے واحد و لاشریک

تنہائیوں میں جنگلوں کی بھی جہاں کوئی
جلوہ نگر نگاہِ بشر پہنچتی نہیں

کرتا ہے اس کا شوقِ نمو، انتشارِ حسن
برکت سے ہے اُسی کی جمال چمن کی شان

شامل ہے جس میں عنصرِ آرائش و نگار
ہوتا ہے جس سے حسنِ صور اور بھی حسیں

ایسا سے ہے اُسی کے رواں کاروانِ رنگ

موسم بدلتے رہتے ہیں اس ہی کے حکم سے
کیا ہے مجال حد سے تجاوز کرے کوئی

سرما کے واسطے بھی مقرر ہیں اس کے دن
ممکن نہیں معینہ مدّت سے بڑھ سکے

شدّت میں اس کی تیزئ تیغ و سناں تو ہے
لیکن ہے کند صنعتِ یزداں کے سامنے

وہ بے مثال صنعتِ اعجاز زندگی
ہر شاخِ گل میں جس سے ہے محفوظ رنگ و بُو

زندہ ہر ایک بیج میں جس سے ہیں برگ و بار

موسم گُلوں کا جانے بھی پاتا نہیں ابھی   دَورِ خزاں و سرما کے آنے سے پیشتر

فطرت مہیا کرتی ہے سامانِ نو بہار

مولائے کُل وہ خالق و رازق، خُدائے ہست   ہر ذرّہ نمو کا خود اس سے ہے وجود

گو آنکھ کو ہماری وہ آتا نہیں نظر   وہ خود ہی زندگی ہے ہر اک ذی حیات کی

اس ہی کا نورِ پاک ہے ہر شئے میں منتشر   جلوہ گری اسی کی ہے فطرت کہیں جسے

ہر صُورتِ ظہور کا وہ خود ہی ہے سبب

وہ خود ہی ہے محرکِ ہر حرکتِ حیات   وہ خود ہی ہے مصوّرِ کُل نقش ہائے ہست

ہر رنگ و خط و خال اسی کا کمالِ فن

ہر پھول کا ہے اپنا ہی رنگ اپنی ہی بہار   سب پر مگر اس ایک ہی صانع کا ہے نشاں

خوشبو بھی اپنی اپنی ہے مخصوص اور جُدا   سب میں مہک اُسی کے دمِ جانفزا کی ہے

خالق وہ کائنات کا پروردگارِ گُل

ہر صبح پتّی پتّی کو نہلا کے اوس میں   کرتا ہے ان کو فرحت و پاکیزگی عطا

موتی یہ تازگی کے دمکتے ہیں اس طرح   امرت ہو جیسے آنکھ میں فرطِ نشاط کا

تخلیق اس کی حسنِ صُوَر پر ہی بس نہیں   مظہر کمالِ صنع کے ہیں بیج بے شمار

پنہاں تہوں میں جن کی ہیں وہ صُورتیں تمام   رنگین جن کے عرضِ تماشا سے ہے جہاں

خوش حال ہے وہی جسے رہتا ہے ہر گھڑی   مولائے کائنات کا احساس ہر گھڑی

جو ساتھ اس کو پاتا ہے ہر گامِ زیست پر   بس کر فقط اسی میں جو رہتا ہے ہر نفس

ہر شئے میں دیکھتا ہے اُسی کو جو جلوہ گر — جس کی نظر میں ایک اسی کا وجود ہے
خوشبوئے گُل ہے جس کے لئے یاد کی مہک
لذّتِ زباں کی جس کے لئے لذّتِ دُعا — رَس ہے پھلوں کا جس کے لیے دُرود کا
اک عکسِ پاک حُسنِ تجلّیٔ ذات کا — جس کے لئے ہے حُسنِ مناظر کا نور و رنگ
ہے شان شاہِ بلوط کی پرتو جلال کا
بندوں پہ اُس کریم کی برکت کا ہے نشاں — نازک و نرم گھاس پہ سورج کی روشنی
جس کی نظر میں ہے تو اُسی کا وجود ہے — ہو ایسے دیدہ ور کو مرا سجدہ و سلام

(جولائی ۱۹۷۸ء)

سوز و ساز ۱۹۷۹ء

God The Author of Nature

(william couper)

ہ ترجمہ ساز مغرب حصہ سوم صفحہ ۱۹۳ پر دیکھئے

سید محمد ابراہیم ندوی نجمؔ

سپاہی کا خواب

لایا ہے پیکِ شام پھر آرام کا پیام
راحت کا کر رہے ہیں فریقین اہتمام
دن بھر کی ماندگی ہے پریشان ہیں خاص و عام
دم لے رہے ہیں فوج کے جانباز نیک نام
کرتا ہے سازِ جنگ یہ اعلانِ آشتی
دشمن سے بھی روا نہیں اِس وقت دشمنی

(۲)

چھٹکے ہوئے فلک پہ ہیں تارے اِدھر اُدھر
پھرتے ہیں چرخِ پیر کے پیارے اِدھر اُدھر
سلطانِ مہ کے خوف کے مارے اِدھر اُدھر
ہیں اپنے اپنے کام میں سارے اِدھر اُدھر
ایوانِ عرش بوس کے یہ پہرہ دار ہیں
دُنیا تو محوِ خواب ہے یہ ہوشیار ہیں

(۳)

ہر زخم خوردہ بسترِ غم پر ہے نالہ زن
سر ہے کہیں کسی کا پڑا اور کسی کا تن
ویراں ہے کوئی دم میں یہ ہستی کی انجمن
تن ڈھانکنے کے واسطے تیار ہے کفن

کشتوں کے پاس گرم ہے چھوٹا سا شعلہ زار
پاس آسکیں نہ تاکہ شغالانِ مُردہ خوار

(۴)

میں نے بھی جمع کچھ خس و خاشاک کر لئے
میدانِ جنگ میں کہیں ہوتے ہیں بستر ے
کھولے کمر کے بند کہ یوں نیند کے مزے
نیند آگئی تو خواب میں لطفِ وطن ملے
شب تھی اخیر اور سحر بھی قریب تھی
کچھ ماند پڑ رہی تھی ستاروں کی روشنی

(۵)

دیکھا کہ رزمگاہ سے اُٹھ کر اُدھر چلا
آباد ہے جدھر مرا گم گشتہ جھونپڑا
دن ہیں خزاں کے پھر بھی بہت سرد ہے ہوا
میری طرف ہے راہ میں رُخ آفتاب کا
کرنیں زبانِ حال سے گویا ہیں بار بار
اس رجعتِ وطن پہ تری دل سے ہم نثار

(۶)

پیشِ نظر وہ ارضِ مقدس بھی آگئی
قدرت سے جس نے پائی ہے اک شانِ دلبری
اکثر بسر ہوئی ہے جہاں صبحِ زندگی
ہر وقت کھیل کود، تماشا، ہنسی خوشی
یہ سر زمیں ہے اپنے لڑکپن کی سیر گاہ
احباب سے یہیں کے ہے دیرینہ رسم و راہ

(۷)

پھر تو سنا وہ شورِ نوا ہائے جاں گداز
وہ اپنی بکریوں کی صدا سامعہ نواز
دہقانیوں کے کھیت میں وہ نغمہ ہائے راز
مصروف کار ہاتھ، زباں کیفیت طراز
دو گز جو اور آگے بڑھا تو مکاں ملا
آخر وہ اپنا خانۂ جنت نشاں ملا

(۸)

دیکھا کہ گرم غلغلۂ نا و نوش ہے
رگ رگ میں دوستوں کی مسرت کا جوش ہے
ہر طفل فرطِ شوق میں گم کردہ ہوش ہے
حتّیٰ کہ شیر خوار بھی مستِ خروش ہے
دل میری دید سے ہے عزیزوں کا باغ باغ
گویا انھیں ملا کوئی کھویا ہوا چراغ

(۹)

احباب کہہ رہے ہیں خدا را نہ جائیے
بھائی یہ رو رہے ہیں کہ بھیّا نہ جائیے
بیوی ہے آبدیدہ کہ آقا نہ جائیے
بچّے بلک رہے ہیں کہ ابّا نہ جائیے
کھائی قسم کہ ترکِ وطن اب حرام ہے
بس آج سے سپاہی گری کو سلام ہے

(۱۰)

اتنے میں مرغِ صُبح نے دی بانگ ایک بار   کانوں میں گونجنے لگی چاؤش کی پکار
چمکا ضیائے صُبح سے میدان کار زار   ہر ایک بے خبر ہوا بیدار و ہوشیار

جاگا تو دیکھتا ہوں جو دیکھا سو خواب تھا
پھر نجم میں مجسّمۂ اضطراب تھا

نیرنگ خیال، لاہور،
جنوری ۱۹۳۲ء

دی سولجرس ڈریم
کیمبل

ہمترجے سازِ مغرب، حصہ دوم صفحہ ۱۷۷ اور حصہ سوم صفحہ ۱۱۲ پر دیکھئے

گلابِ حق

تو محض کُرۂ آتش نہیں ہے اے خورشید

گلاب گُلشنِ ہستی میں ہے تو خالق کا
نشانِ پاک ہے تو رنگ و بُوئے خلقت کا
کشادہ نیلمی آکاش کی جبیں پر تُو
سندور کا ہے مبارک و پاک نقشِ حسیں
فلک پہ مخزنِ کیفِ نشاطِ ہست ہے تُو
تو نُور شعلہ بدامن سُرور و نغمہ بدوش

تجھی سے زیست کی گرمی تجھی سے کیفِ حیات

جلالِ نُور میں تیرے ہیں سات رنگ نہاں
نشاطِ رُوح میں جیسے ہیں سات رس پنہاں
گلابِ خالقِ ہستی، تری سرشت میں ہیں
سرور و کیف و نشاط و جمال و نکہت و رنگ
دلِ بشر میں طلوع ہو جلالِ نورِ خدا
کِھل اے گلابِ ازل تو شعورِ انساں میں
ہوا ہے تجھ میں مجسّم جو معجزہ کُن کا
جگا دے قلب و نظر میں ہماری وہ اعجاز
بیان و ذکر سے باہر ہے ذات واحد جو
نہ کوئی نام ہے جس کا نہ رُوپ ہے کوئی
ہزار نام سے جس ذات کا تصورِ پاک
شعور و ذہن میں اپنے سما نہیں سکتا
تو اس کے نورِ تبسّم کا غنچۂ تر ہے
تو اُس کے شوقِ نمو کا جمالِ رنگیں ہے

تو اوجِ ہست پہ عرفان و آگہی کا پھول

گلابِ نورِ ازل، اے بصیرتِ بشری
بنائے دیدہ وری، پاک ہیں نظر کی خودی
دل و دماغ میں ہم خاکیوں کے آبس جا
گلابِ خالقِ ہستی اب ہم پہ دے برسا
شعاعیں راز حقیقت کی رنگِ حسن مجاز

تُو لامکاں کی کشادہ جبیں پہ نُورِ بقا
مکاں کے رُوئے درخشاں پہ لامکاں کی ضیا
ہے تاجِ نورِ احد سر پہ لازماں کے تُو
تو وُسعتوں میں زماں کی ہے لازماں کا پتا
گزرتے وقت میں تو ہے ابد کا پیغمبر
تُو میہمان ہے ہر ساعتِ مُنوّر کا
ہزار مرحبا محبوبِ کائنات ہے تُو
تو نقشِ قوّتِ لاانتہا و بے پایاں
نشاطِ ہستی موجود و حاضر و ناظر

تو رنگِ صورتِ بے اسم و جسم و لامحدود
گلوں میں تُو چمنِ دہر کے گلابِ دمشق
اُبھر نا رنگ ہے تجھ میں خدا کی قدرت کا
ہوئی ہے شکتی مجسّم وجود میں تیرے
تو زندہ بُت ہے درخشاں جلالِ قوّت کا
برس رہا ہے جو سُرخی سے تیرے چہرے کی
بنا ہے ہالہ جو ہیروں کا فرقِ تاباں پر
شعاعیں تیری سناں راستی و نیکی کی
جو چیر دیتی ہیں ہر تیرہ شب کی ظُلمت کا
شرارے حق و صداقت کے پھر لپکتے ہیں

یہی تو مقصدِ اعلیٰ ہے تیری ہستی کا
یہی تو راز ہے تخلیقِ ہر دو عالم کا
یہی ہے معجزہ افسونِ نُور و ظُلمت کا

بقائے ہست کا پاکیزہ نقشِ رخشندہ
تو نُورِ حُسنِ ازل کا دلِ بشر میں طلوع

گلاب خالقِ ہستی تو صورتِ رنگیں — ظہور شوقِ تجلّی کی ذاتِ باری کے
تجھی سے کُرّہ ارضی نے زندگی پائی — ترے ہی دم سے یہ قائم ہے، تو ہے جانِ حیات
گلابِ زیست درخشندہ پتیاں تیری — ہیں تارِ بربطِ ہستی کے، جن سے رنگ سُرود
برستا رہتا ہے دائم فضائے عالم میں — تو اپنے نُورِ ترنّم کے سحرِ رنگیں سے
بنا دے خاکی و فانی حیاتِ آدم کو — نشاطِ رُوح کا شیریں ترانۂ ابدی
تو دے لطافتِ شعری بشر کے قالب کو — رگوں میں نغمگی بھر دے سرورِ ازلی کی
تو اپنی شعلگی سے خاک کو منوّر کر — نہ رہنے پائے کوئی فرقِ خاکی و نُوری
حدودِ ارض و سما کو محیطِ کُل میں ملا — بشر کو بندِ زماں، بندِ مرگ سے دے چھڑا

مشامِ زیست کو کر، نکہتِ بقا تو عطا

گلابِ خالقِ ہستی، سرور و کیف کی تو — بقائے رُوئے منوّر پہ تابشِ رنگیں
گلابِ عشق یہ فیضانِ رنگ ہے تیرا — دمکتے لعل ہیں گہرائیوں میں ہستی کی

ہے کائنات کا دل جن سے روشن و رنگیں

جلالِ حق! رُخِ تاباں سے تیرے اٹھتی ہیں — شعاعیں برکتِ جولاں و جوشِ رحمت کی
غلامِ فطرتِ حیواں سہی بشر لیکن — وصالِ حق کی تمنّا جو اُس کی رُوح میں ہے
جو آرزو دلِ بے تاب میں سسکتی رہے — جو بن کے اشکِ دعا آنکھ سے ٹپکتی ہے
سُلگتی رہتی ہے خاکسترِ دروں کے تلے — جو چھوڑتی نہیں ہے ساتھ آدمی کا کبھی
بشر کی روح کی اُس آرزو کو، اے خورشید — جنونِ شعلگی دے اور قوتِ تکمیل
جلالِ حق کے نشاں، مظہرِ جمالِ نمو — دلِ بشر میں طلوع ہو، رواں ہو رگ رگ میں

کہ اپنے نُور کو پالے یہ خاک کا پُتلا
جَلال و نُور سے حُسن و جمال سے رخشاں
نشاطِ وصل کی پھر تو اسے بشارت دے
اور آکے مستی میں لے چوم کائنات کا منھ

زمینِ تیرہ ہو، رشکِ فلک، اِسے کر دے
بشر کی چشمِ بصیرت کو کیفِ حیرت دے
خود آئے ہو کے مجسّم سعادت و برکت
حیات فرطِ مسرّت سے جُھوم جُھوم اُٹھے

(اگست ۱۹۷۸ء)

"Rose of God"
Aurobindo,

ہمترجمہ سازِ مغرب حصہ اول صفحہ ۲۵۱ پر دیکھئے۔

پروفیسر سید عبد الغفور شہباز

جوگی

(۱)

مڑ پیارے جوگی گھاٹی کے — لے چل، ہے باٹ کٹھن
اُس جلتی بتّی تک جس سے — ہے جگمگ برلا بن

(۲)

یاں بھکا بھکا پھرتا ہوں — ہیں سو سو من کے پاؤں
جنگل یہ کیسے کاٹوں — رہتے نہیں جو اِک ٹھاؤں"

(۳)

"تھم جا" بولا جوگی — جن میں ہو دکھ کچھ کم
وہ بتّی ہے راکس کوئی — ہے گھات میں تیری۔ تھم

(۴)

بے گھر کے، بے بس بچوں پر — یاں کھلا ہے مرا دوار
سائیں کی دین ہے جتنی بھر — لے لے کوئی ہانک پکار

(۵)

اس رات تو آ، جی کھول کے لے — ہے بھنڈارے میں جو
بھر پیٹ تو روکھے بھوجن سے — رہ کھُری کھاٹ پہ سو

(۶)

جو ریوڑ چلتے پھرتے ہیں — کیوں ماروں ان کا جیو
کیوں ترس نہ کھاؤں ان پر میں — جب کھائے مجھ پر شیو

(۷)

ہیں پربت پر جو ساگ اور پات — بن دوس کے ہیں بھوجن
پھل پھُول پہ کٹتی ہے دن رات — ہوں کُنڈ کے جل میں مگن

(۸)

پیارے بٹو ہی سوچ نہ کر — ہے بھول یہ سوچ بچار
ہاں جگ میں چاہیئے تھوڑا بھر — سو وہ بھی کبھو کبھار"

(۹)

یہ سُلجھی باتیں جوگی کی — سن واں سے بٹو ہی پھرا
تھے آگے آگے جوگی جی — وہ پیچھے پیچھے چلا

(۱۰)

ایک کجلی بن میں ٹیلے پر — تھا جھونپڑا جوگی کا
جو دکھیاروں کا تھا سکھ گھر — تھی بھٹکوں کی ٹٹیا

(۱۱)

نا ناج کا واں کوئی ڈھیر ہی تھا — نا چو کسی کرتا کوئی
جب جوگی کا وہ دوار کھُلا — تو ٹٹّی لینے بڑھی

(۱۲)

اس جوگی نے کچھ لکڑیوں کو — سُلگایا سانجھ پڑے
آنند بٹو ہی جس میں ہو — سب دکھ کے مٹیں جھگڑے

(۱۳)

دیئیے ساگ اور پات اس نے پھیلا — پھر ہنس ہنس کر وہ کھلائے
گُن ہر کے گا اور گُن دکھلا — پھر کٹھن گھڑی وہ گنوائے

(۱۴)

کچھ ہنس مکھ بلّی کے بچے — واں اُچھلے کودے آئیں
کریں چولھے پر جھینگر چرچے — اور چیونٹیاں سَر اُٹھائیں

(۱۵)

پر کسی جتن سے بدیسی کا — بہلائے نہ جی بہلے
پچھتاوا جو من میں بھرا — تو آنسو بہہ نکلے

(۱۶)

یہ بات جو دیکھی جوگی نے — تو سوچ میں کچھ آکے
یوں پوچھا روتے گبھرو نے — کیوں روتا ہے پیارے؟

(۱۷)

کس اچھے گھر سے چھوٹا ہے کیا گئی ہے تجھ پر بیت
کس اوچھے میت کا مارا ہے کس تریا کی ہے پیت؟

(۱۸)

دھن کا کیا کوئی سوچ کرے دھن ہے یہ چلتی چھاؤں
جو مُورکھ دھن پر دھیان دھرے من لے تو اس کا ناؤں

(۱۹)

یاں دکھ میں کون سنگھاتی ہے ہے پیت کہانی ایک
سُکھ سمپت کا جگ ساتھی ہے دے ہری کو دکھ میں پھینک

(۲۰)

اور پیت ہے اس سے بھی بڑھ کر ہے تریا کا یہ کھیل
ہاں رکھتے ہیں اس دھرتی پر کچھ چکوا چکوے ہی میل

(۲۱)

اس سوچ کو چھوڑا اور لاج تو کر اور تریا سے منہ موڑ"
یہ اُس نے کہا گبھرو نے اُدھر دیا جھینپ کے بھانڈا پھوڑ

(۲۲)

جوگی نے دیکھے اچنبھے سے وہ رُوپ اس گبھرو کے
جو رات کے جاتے بھور بھئے چو دیس پڑا دمکے

(۲۳)

تھے لاج بھرے وہ نین اس کے — اور جوبن اُبھرا ہوا
دیا بھانڈا پھوڑ ان دونوں نے — اس بھیس میں ہے تریا

(۲۴)

تب کہنے لگی دے جی سے مٹا — جو مجھ سے ہوئی ہو بھول
کیا کام یہاں مجھ پاپن کا — جہاں پھولیں دھرم کے پھول

(۲۵)

کر اپنی دیا مجھ تریا پر — ہے بپت میں چھوٹا دیس
یاں چین کہاں اور آس کدھر — ہے بپتا میں یہ بھیس

(۲۶)

جمنا کے نیر تھا باپ مرا — سکھ سمپت بیچ مگن
اور مجھ اکلوتی بیٹی کا — تھا جو کچھ اُس کا دھن

(۲۷)

لیں موہ مجھے اتنے کے لئے — واں سینکڑوں گبھرو آئے
رہے جی ہر کوئی مجھ پر دے — ہر کوئی میرا گن گائے

(۲۸)

تھی بھیڑ اک چاہنے والوں کی — ہر کوئی لالچ دے
تھا ان میں پیارا موہن بھی — جو پیت کا ناول نہ لے

(۲۹)

تھے کپڑے بھی کچھ یوں ہی سے بل بوتا اور نہ دھن
گن گیان ہی تھا کچھ پاس آس کے تھا اپنا دہی سجن

(۳۰)

جب بیٹھ وہ میرے پاس کبھی تھا گاتا بیت کے گیت
جو لے تھی اس کی رس کی بھری جو دھن تھی اس کی پیت

(۳۱)

تھی لاج سے کلیاں مرجھائی کہیں ڈوب مرے نہ اوس
اُن سے وہ من کی ستھرائی تھی آگے سینکڑوں کوس

(۳۲)

جو اوس کی بوندیں اور کلیاں ہیں سدا لبھاتی جی
وہ میرے جی کو لبھاتا واں یا دھن تھی رکھائی کی

(۳۳)

تھی دیکھتی تیکھی چتون سے اور روٹھتی تھی پل پل
تھے ڈھنگ ستانے کے سارے وہ جائے ہر پل بل

(۳۴)

ہیں اس پر بھی منتی تھی کہاں سب توڑ دی اس کی آس
بھایا اس کو جنگل کا سماں جہاں جی لے گیا وہ اُداس

(۳۵)

کیا بیٹھے بٹھائے پاپ چڑھا　　کب بھولے گا یہ سوگ
جل جاؤں اس کی چتا پر جا　　اس کارن لیا ہے جوگ

(۳۶)

پچھتاتی ہوں اس بن میں جا　　میں دوں گی اپنا جی
ایسا ہی" اس موہن نے کیا　　ایسا ہی کروں میں بھی"

(۳۷)

"ایسا مت کہہ" جوگی نے کہا　　چھاتی سے اس کو لگا
مانا ناری نے جی میں برا　　پر دیکھے تو وہ موہن تھا

(۳۸)

"اے سندر پیاری دیکھ اِدھر　　بلہاری تیرے نینوں کے
دیکھ اپنے موہن کو جی بھر کر　　جو آن ملا ہے تجھ سے،

(۳۹)

چھاتی سے مجھ کو لگائے رکھوں　　اور سوچ کر ماروں لات
تو جی ہے۔ تجھ سے الگ نہ رہوں　　اور چین کروں دن رات

(۴۰)

رکھیں گے پیار سے کام سدا　　اب الگ نہ ہوں گے کبھی
کیا کام اب ٹھنڈی سانسوں کا　　آ مل لیں کھول کے جی

طبعزاد :

یاں تک تھے بچن اس جوگی کے   ملا دھن جو گیا تھا چھن،
جوں ہر نے ان کے دن پھیرے   یوں ہی پھیرے سب کے دن

شہبازؔ یہ گیت انگریزی تھا   ہندی میں گایا میں
اب نیاو کریں اس گانے کا   جو سُننے والے ہیں

نگار پاکستان - مئی ۱۹۶۵ء

اولیور گولڈ اسمتھ

ہمترجمہ : حصہ دوم صفحہ ۲۱۰ پر دیکھئے۔

محمد عبداللہ خاں امین

مثنوی عابد

دور چشمِ خلق سے حق سے قریں　　تھا کسی صحرا میں اک عابد مکیں
حاصل اس کو جیسے تھا سِنّ شعور　　اہلِ دُنیا سے رہا کرتا تھا دور
ابتدا سے تھا عبادت اُس کا کام　　چاہتا تھا زیست ہو یونہی تمام
یوں کیا کرتا تھا وہ اپنی گزر　　تھا بچھونا کاہ کا اور کوہ گھر
تھے ثمر صحرا کے صرف اُس کی غذا　　واسطے پانی کے چشمہ کوہ کا
اِس طرح وہ خلق سے رہ کر جُدا　　کاٹتا اوقات اپنی نا خدا
وہ عبادت سے فقط رکھتا تھا کام　　حمدِ خالق اُس کی تھی فرحت تمام
حرصِ دُنیا مل گئی تھی خاک میں　　تھا تقدّس اُس کی ذاتِ پاک میں
یوں بسر کرتا رہا وہ ذی شعور　　جیسے جنّت میں ملائک غم سے دُور
وسوسہ سے آخرش شیطان کے　　ایک خدشہ دل میں ٹھہرا آن کے
بد زمانے کے تو ہیں فرخندہ حال　　نیک بختوں کے لئے کیوں ہے زوال
کر چلا اِس وہم کی جب جستجو　　عدلِ باری میں ہوئی کچھ گفتگو

دل میں جب پہنچی ہوائے رایگاں — گلشنِ اُمید میں آئی خزاں
دل کا استقلال اس کے کھو گیا — اور اک سنوئی میں جھگڑا ہو گیا
جس طرح دریائے ساکن میں یہاں — عکس موجودات ہوتا ہے عیاں
ہو کنارہ یا کنارے کے درخت — سب نظر آتے ہیں ساکن ایک لخت
آسماں کی جتنی ہیں نیرنگیاں — صاف ہو جاتی ہیں پانی میں عیاں
ہاں جو پتھر ماریئے اس آب میں — عکس پڑ جاتا ہے پھر گرداب میں
پھر جو ہوں اس آب میں موجیں رواں — عکس کے ٹکڑے بھی ہوتے ہیں دواں
الغرض عابد کا دل مضطر ہُوا — گنجفہ بازی رگا ابتر ہُوا
دیکھا اس نے دل کو جب ہوتے خراب — چارہ جوئی کے لئے اس کی شتاب
گھر سے اپنے چل دیا وقتِ سحر — کچھ مہیّا کر کے سامانِ سفر
راہ میں کچھ تھی نہ اُس کو فکر اور — ہاں مگر ہر بات میں کرتا تھا غور
تا کہ اپنی آنکھ سے دُنیا کا حال — دیکھ کر سمجھے وہ سب کی قیل وقال
جس سے پھر وہ بات بھی ہو جائے صاف — پڑھ رہا تھا جی میں جس کا اختلاف
سچ ہے وہ جو لکھ گئے اہلِ کتاب — یا جو اہلِ قریہ کرتے ہیں خطاب
کیونکہ اب تک حال دُنیا کا اُسے — تھا ہویدا گاؤں کے لوگوں ہی سے
چلتے چلتے گرچہ گذری سب سحر — دشت وحشت خیز تھا پیشِ نظر
آخرش تاباں ہوا جب آفتاب — ٹھہرے صحرا میں یہ تھی پھر کس کو تاب
جب ہوا وہ سوئے آبادی رواں — راہ میں اس کو مِلا اک نوجواں

اک قبائے نُور تھی زیبِ بدن — رنگ گورا اور گیسو پُر شکن

آ قریب عابد کے وہ کہنے لگا — السّلام اے رہروِ راہِ خدا

در جواب اس کے یہ عابد نے کہا — مرحبا فرزند میرے مرحبا

جب ہوئے آپس میں گرمِ گفتگو — عابدِ پیر اور جوانِ خُوبرو

فرق تھا صورت میں گرچہ مو بمو — ایک تھے سیرت میں دونوں نیک خو

ہو گیا دونوں میں ایسا اِتّفاق — تھی دُعا ان کی نہ ہو یارب فراق ۔

ایک تھا نخلِ گلستاں کی طرح — ایک لپٹا عشق پیچاں کی طرح

چلتے چلتے پہنچے اک جا وقتِ شام — دل لگی میں کٹ گیا رستہ تمام

نہر غرقِ بحرِ مغرب ہو گیا — رات آئی اوڑھ کر کالی رِدا

آفتِ شبنم سے بچنے کے لئے — جاتے تھے دونوں درختوں کے تلے

رفتہ رفتہ جب کہ آیا وقتِ خواب — رُخ سے اُلٹا ماہِ کامل نے نقاب

طے ہوئیں قسمت کی جو تھیں سختیاں — راہ میں اُن کو ملا تب اک مکاں

صاحبِ خانہ مسافر دوست تھا — تھا گھر اس کا دایماً مہماں سرا

پر اُسے نامِ آوری کی تھی طلب — اس لئے مہماں نوازی تھی یہ سب

الغرض پہنچے یہ دونوں اس کے گھر — نوکر اس کے باندھ کر آئے کمر

اور استقبال مالک نے کیا — آ کے دروازے پہ خود ان کو لیا

مچ مچانے پھر لگیں میزیں تمام — اس قدر ان پر ہوا بارِ طعام

پر یہ سب تھا بوالفضولی کا خیال — تھا ضرورت سے زیادہ سارا مال

جب کہ اکل و شرب سے فارغ ہوئے
استراحت کے ارادے ہو گئے

پائے بستر جا کے جو نرم و لطیف
خوب غافل سوئے یہ دونوں شریف

رات گذری صُبح کا تڑکا ہوا
آئی نہروں پر سے پھر بادِ صبا

اور جگانے کے لئے آئی نسیم
با دلِ بشاش و با لطفِ عمیم

کھڑکھڑانا جب کہ پتّوں کا سُنا
نیند سے جاگے وہ مردانِ خدا

پھر طہارت کر کے پاکیزہ گہُر
جب عبادت کر چکے وقتِ سحر

نوکروں نے دست بستہ آ کے تب
عرض کی خدمت میں ان کی با ادب

حکم ہے آقا کا جلدی آئیے
ماحضر حاضر ہے آ کر کھائیے

الغرض وہ دونوں مہمان شریف
نوش جاں کرنے لگے کھانے لطیف

واں شرابِ ارغوانی سے بھرا
ایک سونے کا پیالہ تھا دھرا

میہمانوں کو پلائی وہ شراب
صاحبِ خانہ نے با نقل و کباب

صاحبِ خانہ کو پا کر مہرباں
جب ہوئے فارغ وہ دونوں میہماں

خوش ہوئے راضی بہر صورت ہوئے
شکر نعمت کا کیا رخصت ہوئے

صاحبِ خانہ کو اک پہنچا گزُند
کر نہیں سکتے جسے عاقل پسند

یعنی اس کا جامِ زر گم ہو گیا
خالی اس کے فخر کا خُم ہو گیا

نوجواں نے اس پیالے کو چُرا
جیب پیراہن میں اپنے دھر لیا

راہ میں سوجھی پھر اس عیّار کو
جامِ زر دکھلایا اپنے یار کو

دیکھ کر جاتے رہے اُس کے حواس
اور دل پر چھا گیا ابرِ ہراس

فرطِ حیرت سے کھڑا تھا پا بگل — کانپتا تھا خوف سے سینہ میں دل
جیسے کوئی دیکھ کے اک اژدھا — خوف سے ہو جائے رستے میں کھڑا
ایک عرصے تک رہے پابندِ بیم — بھاگئے پھر اس جا سے باحالِ سقیم
اس طرح عابد نے باحالِ تباہ — لی وہاں سے منزلِ مقصد کی راہ
چاہتا تھا یہ کہ ہو اُس سے جُدا — ڈر کے مارے منہ سے کہہ سکتا نہ تھا
دل میں ناخوش ہو کے سوئے آسماں — دیکھتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ ہاں
کیسا دنیا کا یہ اُلٹا کام ہے — نیک کا کیسا بُرا انجام ہے
ناگہاں پیدا ہوئی کالی گھٹا — مہرِ عالم تاب جس سے چھپ گیا
سنسناہٹ نے ہوا کی دی خبر — ابرِ باراں آگیا بالائے سر
جانور جنگل کے بھاگے سب وہیں — جا چھپے کوئی کہیں کوئی کہیں
خوف سے بارش کے یہ دونوں بھی اب — اک مکاں پر پہنچے ہو سایہ طلب
تھا بہت مضبوط و مستحکم وہ گھر — تھی بنا اس کی بڑے اک ٹیلے پر
گرد اُس کے پر بڑا ویرانہ تھا — باعث اُس کا بخل صاحب خانہ تھا
پہنچے ڈیوڑھی پر جو یہ اُس شوم کی — رعد نے نوبت بجائی دھوم کی
تھا ہوائے تند کا اک سمت زور — ایک جانب برق و باراں کا تھا شور
ہو پریشاں دونوں ابر و باد سے — آ پکارے اس کے گھر فریاد سے
اور دروازے بھی ٹھونکے بار بار — کون سنتا تھا مگر ان کی پکار
صاحبِ خانہ تھا ممسک اِس قدر — صورتِ قارون تھی اس کو حبِ زر

کچھ مگر تاثیر جو دل میں ہوئی — ابتداً اک نئی بات اس نے کی
بے دلی سے اُن کا رہبر ہو گیا — کھول کر اک در کو ششدر ہو گیا
یہ اشارہ اُس سے تھا خیر آیئے — خون روٹی کا مری کر جائیے
لکڑیاں کچھ دیں جلانے کو اُنھیں — رفع تا سردی کو وہ اپنی کریں
اور رُوکھی سُوکھی پھیکی روٹیاں — دے کے بولا بس یہ حاضر ہے یہاں
تھی جو اُس کے گھر میں ناقص اور خراب — دی اُنھیں پینے کو اُس نے وہ شراب
پھر جو ہیں طوفاں کم ہونے لگا — اُن غریبوں کو دیا اُس نے بھگا
دل سے کی عابد نے تب یہ قال و قیل — اتنی دولت پا کے یہ کیوں ہے بخیل
بند کر رکھا ہے اس نے کیوں یہ مال — واسطے جس کے ہیں لاکھوں ہی سوال
تھا اِسی شش پنج میں عابد وہاں — طرفہ گُل اک اور پھولا ناگہاں
وقت آیا جب کہ رخصت ہونے کا — نوجوان نے وہ پیالہ سونے کا
دے دیا اس شوم کو انعام میں — خاک پڑیو اس کے ایسے کام میں
صاحبِ لطف و کرم سے تو لیا — اور اک ناپاک و ممسک کو دیا
ہو گیا اُس کیفیت کو انقلاب — کُھل گیا وہ ابر نکلا آفتاب
جس کے پرتو سے ہوا وہ لطف عام — سبزیِ صحرا کی چمک اُٹھی تمام
ہو کے خوش اب دونوں وہ مہمان چلے — بند اُس ممسک نے اپنے در کئے
پر تمامی راہ میں عابد کا دل — بار بار اُٹھتا تھا ان باتوں سے ہل
بے سبب معلوم ہوتے تھے اُسے — کام سب ساتھی کے لیکن کیا کرے

کہتا تھا اُس جا تو اِس نے کی بدی
ظاہرا اِس جا پہ کی دیوانگی

گہہ ترحّم اُس کے جی میں آتا تھا
گاہ غصّے سے لرز جاتا تھا

دیکھ کر اس طرح کی نیرنگیاں
عقل حیران ہو گئی عابد کی واں

چرخ نے پھر اوڑھی اب چادر سیاہ
تیرہ پھر عالم ہوا زیرِ نگاہ

پھر کہاں دونوں نے اب اِس بات کو
گھر کسی کے چل کے سوویں رات کو

الغرض ان لوگوں کو اک گھر قریب
ہو گیا تقدیر سے جلدی نصیب

گرد اُس کے تھی زمیں خوش گوار
وہ مکان تھا پُر صفا اور اُستوار

نے تکلّف کا بہت تھا اور نہ زشت
پہنچے اُس جا دونوں وہ نیکو سرشت

صاحبِ خانہ بھی اس کا خوب تھا
باعث جود و سخا محبوب تھا

پر نہ تھا اُس کا کرم بہر ریا
فیض جاری تھا برائے کبریا

پہنچا اُس جا یہ مسافر تھک کے جب
دیکھا مالک کو بجا لائے ادب

دل ہوا مسرور جب دیکھا مکاں
اور مالک کو بھی پایا مہرباں

دیکھ کر تعظیم ان کی بے ریا
صاحبِ خانہ نے اُس نے یوں کہا

میں نہ مسرف ہوں نہ ہوں میں کچھ بخیل
بلکہ از بہرِ خداوندِ جلیل

دوں گا اُس نعمت سے تم کو اے جناب
جو خدا نے دی ہے مجھ کو بے حساب

راستہ بھولے نہیں تم مہرباں
بلکہ بھیجا ہے خدا نے تم کو یاں

کر کے دستر خواں کا پھر اہتمام
شوق سے کھلوایا دونوں کو طعام

کھا چکے کھانا تو پھر مل کر بہم
بیٹھے وہ سب صاحبِ عالی ہمم

خیر و برکت کی رہی گفت و شنود — اس میں پہنچا آن کر وقتِ غنود
تب اُٹھا وہ مالکِ با امتیاز — خواب گہ میں سو رہا پڑھ کر نماز
قبلِ رخصت ہونے دونوں کے مگر — اک ستم اس جا ہوا یہ طرفہ تر
صاحبِ خانہ کا اک فرزند تھا — جو کہ اُس کی جان کا پیوند تھا
مہد میں سوتا تھا وہ لڑکا غریب — صبح کو آیا جواں اس کے قریب
گھونٹا اُس کا آن کر ایسا گلا — مر گیا لڑکا وہ نازوں کا پلا
سو ستم کا اک ستم تھا یہ میاں — ایک ہی لڑکا تھا بس اُس کے یہاں
سخت اس حرکت سے عابد ڈر گیا — دیکھا جب آنکھوں سے ایسا ماجرا
الغرض گھبرا کے بھاگا وہ رحیم — پڑ گئیں پاؤں میں پر جولانِ بیم
نوجواں بھی ساتھ ساتھ اُس کے چلا — خوف میں کر جان اُس کی مبتلا
تھا بہت کج پیچ واں جو راستہ — ایک خادم اس لئے رہبر ہوا
راہ میں پڑتا تھا اک دریا عمیق — تھا گذر جس پر سے مشکل اے رفیق
پُل نہ تھا کوئی نہ کشتی تھی کھڑی — پُل کی جا برگد کی ڈالی تھی پڑی
آگے آگے تھا جو نوکر بے خبر — نوجواں نے پاس اُس کے آن کر
اک نیا طوفاں اور برپا کیا — دے کے دھکا غرق دریا کر دیا
عابد اب غصے سے تھرّانے لگا — اور خون آنکھوں سے برسانے لگا
توڑ کر وحشت کے سارے قید بند — ہائے ظالم کہہ اُٹھا وہ دردمند
اتنی ہی عابد نے کی تھی قیل و قال — ہو گئی حیرانی دامن گیر حال

دیکھتا کیا ہے کہ وہ مردِ جواں — ہو گیا بن کر ملک اُس پر عیاں
نُورِ چہرہ پہلے ہی تھا مشتعل — ہو گیا اب اور بھی محبوبِ دل
نُور افشاں ہو گئی پوشاک سب — جس سے پیدا ہو گیا لطفِ عجب
پر بھی بازو پر ہوئے فوراً عیاں — اور دکھائیں طرفہ ترنیرنگیاں
پرتوِ خورشید سے تاباں ہوئے — دشت میں ہر سمت نور افشاں ہوئے
جلوہ گر جب جسمِ اطہر ہو گیا — دشت خوشبو سے معطّر ہو گیا
جامے سے خوشبو جو باہر ہو گئی — خاکِ صحرا رشکِ عنبر ہو گئی
بولا جب وہ بلبلِ باغِ جناں — نغمۂ قدسی ہوا اُس سے عیاں
گرچہ پہلے تھا اُسے غصّہ کمال — دیکھا لیکن جب کہ عابد نے یہ حال
فرطِ حیرت سے وہ ساکت ہو گیا — ہوش اُس کا سارا گویا کھو گیا
اور جب دیکھے فرشتے کے یہ کام — ہو گئی گم قوّتِ نطق و کلام
پہلے آپ ہی آخرش بولا ملک — رہیے گا خاموش حضرت کب تلک
زہد و تقویٰ اور ثنا خوانی تری — اور ممنوعات سے رہنا بری
سب ہے مقبولِ خدائے ذوالجلال — اور ہم لوگوں پہ بھی روشن ہے حال
پر ترے خطرے کی کرنے کو دوا — آسماں سے ہوں میں اُترا عابدا
سن کے عابد یہ کلامِ جاں فزا — از پئے تعظیم سجدہ میں جھکا
روکا سجدے سے فرشتے نے مگر — لے لیا ہاتھوں پہ بس عابد کا سر
ہم تم اک خالق کے بندے ہیں تمام — غیر اُس مالک کو سجدہ ہے حرام
اب خدا کی حکمتیں سب جان تو — خطرہ جو آوے اُسے مت مان تو

خالق و مالک ہے وہ دارین کا فعل جتنے اُس کے ہیں سب ہیں بجا
آپ ہی کرتا ہے جو کچھ کرتا ہے آدمی کے سر بہانہ دھرتا ہے
سب صفات اُس کی کا یونہی ہے ظہور جاننا اس بات کا ہے پر ضرور
تو نے باتیں دیکھی ہیں جو کچھ ابھی کون سی ان سے عجب تر ہو گئی
دیکھ کر اس کو بس اب تو جان لے اور کہنے کو ہمارے مان لے
عدلِ خالق میں نہ کر کچھ گفتگو وہمِ بیہودہ کی چھوڑ اب جستجو
جو نہ سمجھے جان تیرا ہے قصور ہے مگر اس بات میں نکتہ ضرور
وہ جو پہلا شخص تھا با کرّ و فر خوشِ غذائی پر جو کرتا تھا گذر
تھا حقیقت میں اگر وہ مال دار لائقِ نفریں تھا اُس کا کاروبار
جس طرف کرتا تھا اس کے گھر نظر دیکھتا تھا تو ظروفِ سیم و زر
میہمانوں کی تئیں وقتِ سحر مَے پلاتا تھا وہ سو سو عجز کر
ساتھ ساغر کے سب اُس کا طمطراق ہو گیا اب اک قلم بالائے طاق
ہے اگرچہ اب بھی وہ مہماں نواز کام اب کرتا ہے با صدق و نیاز
اور تھا جو وہ بخیلِ نابکار اور نہ رکھتا تھا وہ مہمانوں کو پیار
اُس کو میں نے وہ پیالہ دے دیا تا کہ وہ اس بات کو سمجھے ذرا
یعنی گر بندوں پہ میں ہوں گا شفیق رحمتِ حق میری بھی ہو گی رفیق
دل میں کہتا ہے کہ میں ہرگز نہ تھا لائق اس اِنعام کے جو مِل گیا
اِس سبب سے دل اب اُس کا نرم ہے دوستی میں خلق کی سرگرم ہے
جیسے زرگر کھوٹی چاندی کو جلا جوہر اُس کے دیتا ہے سب کو دکھا

ویسی ہی میں نے اب اُس کے دل کا یار
دور کر ڈالا ہے سب گرد و غبار

شخص ثالث کا یہ سن لے اب تو حال
تھا وہ شیدائے خدائے ذوالجلال

لیکن اب جس وقت سے اے خوشخصال
اُس کے گھر پیدا ہوا تھا نونہال

پھر گیا تھا کچھ خدا سے اُس کا دل
عشق صورت میں ہوا تھا مشتعل

عمر بھر کی اس کی محنت بے گماں
اِس طرح ہو جاتی بالکل رائگاں

حق نے لے لی جان طفلِ دل پسند
اُس کے ایماں پر نہ پہنچے تا گزند

خیر اتنے ہی پہ تھی جو ہو گیا
آگے سُنیئے دوسرا اک ماجرا

گر نہ دیتا اُس کے نوکر کو میں ڈال
در تہِ دریا تو لاتا وہ زوال

ٹھان رکھا اُس نے اپنے دل میں تھا
لیجئے دولت میاں کی سب چُرا

ہوتا گر سرزد یہ کارِ ناپسند
فیض کا دروازہ پھر ہو جاتا بند

الغرض میں نے یہ سب تفہیم کی
جائیے بس آپ کی تعلیم کی

اب خدا کے کارخانے میں کبھی
تنگ نہ لانا جب تلک ہے جی میں جی

اِس طرح کہہ کر وہ سوئے آسماں
ہو گیا پر کھول کر جلدی رواں

اور عابد آسماں تکتا رہا
وہ فرشتہ آنکھ سے غائب ہوا

یوں ہی جب الیاس تھے غائب ہوئے
الیسع بھی آسماں تکتے رہے

الغرض عابد نے جب دیکھا یہ حال
مٹ گئے سب دل کے خدشے اور خیال

توبہ استغفار وہ کرتا چلا
مستقل ہو کے جہاں تھا واں گیا

شرِّ شیطاں سے رہا محفوظ وہ
لطفِ حق سے پھر ہوا محفوظ وہ

(گورنمنٹ پریس الہ آباد ۱۸۷۴ء)

دھرم سروپ

ربی بن عذرا

(۱)

سفر ہیں منزل پیری کے میرے ساتھ چلو
سکون و صبر و تحمّل، یقین و ایماں کی
اُمید و شوقِ فراواں کی زادِ راہ لئے

گزر کے آئے ہو گو تُم حسیں مراحل سے
حسیں ترین و منوّر مقام ہے آگے
جہاں لطافت و رنگینیِ اواخرِ عُمر
ہمیں بتاتی ہے کیا مُدّعا و مقصد تھا
اوائل سفرِ زیست کے مناظر کا
شباب ہی تو نہیں پوری زندگی اپنی
ہے یک سلسلہ لا انتہا زماں کا، حیات
اور اس کے ہاتھ میں یہ سلسلہ ہے جس نے کیا
ہے کل کو جزو میں پنہاں، جو کل سے ہے آگاہ
ہیں زندگی کے کئی رُخ ہر ایک کو دیکھو
نظر کو رکھو نہ محدود حُسنِ جلوہ تک
جلال کُل بھی ہے پیدا جمالِ جزو کے ساتھ
ہمارا علم ہمہ گیر ہو نہیں سکتا
ہے جس کے دستِ مبارک میں زندگی اپنی
بھروسہ ایک اُسی پر کئے بڑھاؤ قدم
نہ آنے پائے کبھی دل میں کوئی خوف و ہراس
ہر ایک شئے میں نظر آئے جلوۂ تاباں
اسی کے رُوئے مُنوّر کا چشمِ حیراں کو

سفر میں منزلِ پیری کے میرے ساتھ چلو
سکون و صبر و تحمّل، یقین و ایماں کی
امید و شوقِ فراواں کی زادِ راہ لئے
ہے لاکھ خوشیوں سے عہدِ شباب کی بڑھ کر

(۲)

شباب کا تو تقاضہ یہی رہا ہے سدا
کہ باغِ حُسن کے رنگین پھول چن چن کر
اکٹھا کرتا چلا جائے اپنے دامن میں
اور آہیں بھر کے یہ سوچے کہ کس گُلِ تر کو
بنائے اپنا دل و جاں سے، اور پیار کرے
اور اس کی شاخ پہ کس نرگسِ تمنّا کو
مہکتا چھوڑ دے اک عمر بھر کی یادِ حسیں
اُسی پر بس نہیں، بے باک چشمِ عہدِ شباب
تلاشِ حُسن میں رہتی ہے ہر طرف ہر دم
نظر جوانی کی اُٹھ کر فلک پہ جاتی ہے
تو ایک نور کے پیکر کو مانگتا ہے دل
ہو جس کے حُسن میں زہرہ و مشتری کا جلال
مریخ کی ہو دمک اور رونقِ پروین
جو اُن سے بڑھ کے ہو روشن جبیں و نور افشاں

(۳)

بشر کا عہدِ جوانی ہے، مختصر اِس کو
لپیٹ میں لئے اپنی، تباہ کرتا ہے
اُمید و بیم کا اک سلسلۂ دُور دراز
یہ جہل و بے بصری کا وسیع سایۂ تار
مگر نہیں مجھے پرخاش اِس سے، غم ہے تو یہ
کہ وہ شرارۂ شک، وہ سوال کا شعلہ
وہ جستجوئے حقیقت کا شعلۂ برّاں
تلاشِ حق کا لپکتا ہوا شرارۂ ناب
نہ ہو جو دل میں بشر کے تو وہ بشر ہی نہیں
ہے محض مٹی کا بُت، خوش وضع و خوش اندام
نہیں ہے رُوحِ درخشاں کی شعلگی جس میں

بہت ہی کم نظر آتا ہے وہ جوانی میں — دبا ہی رہتا ہے عیش وطرب کی آگ تلے

(۴)

وہ زندگی نہیں جو وقفِ عیش و عشرت ہو — ہوس کے جوش کی تسکین جس کا مقصد ہو
ہو خواہشات کی تکمیل مُدعا جس کا — جو ناؤ نُوش میں رقص وسُرود میں گزرے
جو خالی خالی نظر آئے اور بے معنی — ہو ختم عشرت وعیش وطرب کی جب طاقت
ہے ایسی زندگی حیواں کی زندگی جس میں — بھرا ہو پیٹ تو کوئی نہ فکر ہو نہ سوال

(۵)

خوشی مناؤ۔ کرو شُکر بار بار ادا — کہ ہے ہمارا تعلق اک ایسی ذات کے ساتھ
ہمیشہ ہوتا ہے ہم سب پہ ہی کرم جس کا — عطا و بخشش و رحمت ہیں جس سے وابستہ
اُسے تو ہم سے کبھی بھی نہیں ہے کچھ لینا
وہ شعلہ، جان ہے جو اپنے جسمِ خاکی کی — ہے اک شعاعِ پریشان جمالِ یزداں کی
یہ دنیا والے جو بنتے ہیں اپنے نزدیکی — غرض نہ ہو تو کبھی پاس بھی نہ پھٹکیں گے
قریب تر ہے مگر سب سے وہ جسے ہم سے — کوئی غرض ہے تو بس ہے خلوصِ اُلفت سے
شعور ہو ہمیں اِس قرب کا۔ یہی تو ہے — ہماری زیست کا حاصل حیات کا مقصد

(۶)

یہ قُربِ ذات کا احساس، یہ شعورِ خودی — جو چاہیئے تو نہ گھبراؤ رنج ومحنت سے
رہِ حیات کی آسانیاں ہیں دشمنِ جاں — جہانِ عیش کی ہیں نرمیاں ہی ضدِ نشاط
خوش آمدید کہو، مشکلیں اگر آئیں — خوشی سے جھیلو اگر سر پہ سختیاں ٹوٹیں
سرورِ عشرتِ خاکی ہے درد کا مصدر — نشاطِ جاں کے لئے سوزِ دل قبول کرو

سکونِ مرگ ہے آسان اور تن آسانی

یہ رزم جوئی کرو ترک، سخت کوشش بنو | تڑپ جگر میں ہو دل میں ہو ایسی بیتابی
جو دم نہ لینے دے مانندِ نیش عقرب کے | جو ہر نفس کرے مجبور آگے بڑھنے کو
یہ راہِ عیش ہے مشکل بہت کٹھن ہے سفر | یہاں کی خوشیوں کی قیمت ہے درد و رنج والم
مگر اُٹھانا ہی ہوں گی مصیبتیں ہم کو | نشاطِ روح ہے ارزاں کسی بھی قیمت پر

(۷)

تضاد قدروں کا ہے۔ نکتۂ نظر کا ہے | زمانہ ہنستا ہے جس پر اسی سے ملتے ہیں
سکون و راحتِ دل اور سرور و کیفِ جگر | ہے اپنی اپنی نگاہ اپنا اپنا نصب العین
نظر میں دنیا کی ناکام و نامراد ہے جو | ہے شاد کام وہی تو نظر میں سالک کی
جو رائگاں ہے نہیں رائگاں وہی تو عمر | جو کامیاب نہیں کامیاب ہے تو وہی
میں خوش ہوں بن نہیں پایا جو چاہتا تھا میں | نہ ہوتا میں جو میں اب ہوں تو ہوتا اک حیواں
ہزار شکر کہ میں قعرِ زندگی سے بچا
اگر تمہیں میری قدروں کی قدر ہے تو چلو | سفر میں منزلِ پیری کے میرے ساتھ چلو
سکون و صبر و تحمّل، یقیں و ایماں کی | امید و شوقِ فراواں کی زادِ راہ لئے
نشاطِ روح کی منزل ہے اس کا کیف و سرور | ہے لاکھ خوشیوں سے عیشِ شباب کی بڑھ کر

(۸)

جئے جو جسم کی خاطر وہ آدمی ہی نہیں | غلامی جسم کی، بےچارگی ہے حیواں کی
قیامِ رُوح کا قالب میں اس لئے تو نہیں | کہ کام کرتے رہیں دست و پا سدا اپنے
معیارِ زندگی یہ ہے کہ جسم گھٹنے تک | ہمارے رُوح کی معراج میں معاون ہے

(۹)

ہمارا جسم عطیہ ہے ایک خالق کا
یہ بے بہا ہے عنایت یہ بے بدل نعمت
کمال صنعتِ صانع و قدرتِ قادر

ہر ایک عضو میں طاقت ہر ایک حس میں شعور
نہ حد ہے اس کی نہ ہے اس کی انتہا کوئی
جو آنکھ دیکھتی ہے اور کان سنتے ہیں
دماغ و دل کے دفینے میں ہے وہ سب محفوظ
ہزار شکر کہ اعجاز صنعت تخلیق
ہمیں ملا ہے حصولِ خود آگہی کے لئے

(۱۰)

خدائے جن و بشر، رب العالمین، تیری
کروں میں جتنی بھی حمد و ثنا بہت کم ہے
ترے کرم سے سمجھنے لگا ہوں رازِ شہود
کیا ہے میں نے تماشہ ظہورِ قدرت کا
جنونِ جوشِ جوانی میں، سوزشِ جاں میں
غضب میں زلزلوں کے اور غیض طوفاں میں
شرارِ برقِ تپاں میں، بھڑکتے شعلوں میں
جلال مہر درخشاں میں رعبِ فطرت میں
اور اب میں دیکھ رہا ہوں لطافتِ ہستی
سکونِ قلب و جگر میں فراغتِ جاں میں
نسیمِ صبح میں، رنگینیٔ بہاراں میں
سرور و بے خودیٔ رقص و کیف و نغمہ میں
جمال انجم گردوں میں حسن فطرت میں
نظارے لطف و کرم کے یہ دیکھ کر تیرے
سمجھ میں آنے لگے ہیں حیات کے معنی
نظر کے سامنے آتے ہیں نمائیت ہستی!
ہزار شکر ترا خالقِ رحیم و کریم
کہ مرتبہ مجھے انسان کا دیا تو نے
اب اور اپنے کرم کا دکھا مجھے اعجاز
اب اپنے جزو کو احساسِ کل کی بخشش دے
مجھے یقیں ہے کہ تیری رضا میں میری دعا
ملے گی جب تو مری عرض یہ بھی ہو گی قبول

(۱۱)

حسین و دلکش و رنگین و دلفریب ہے جسم
ہے روح کیلئے لیکن یہ دامِ نکہت و رنگ

نہاں اسی ہی میں ہیں دانہ ہائے لطف حیات
بشر کو خلد سے لاتی ہے کھینچ جن کی کشش

قرار پھر بھی یہاں روح کو نہیں حاصل
ہمیشہ رکھتی ہیں بے چین خواہشات اُسے

کبھی جب آتا ہے آزادی و سکوں کا خیال
تو اس کو جنت گم گشتۂ خودی کی یاد

سیاہ سایوں سے تحت الشعور کے اٹھ کر
ہمیشہ دیتی ہے انجانے طور پر تڑپا

تمام خوشیوں سے عیشِ جہاں کی بڑھ کے کہیں
ہے اپنی روح کی خود آگہی کا کیف و سرور

نشاطِ روح کا پانا مگر نہیں آساں

وہ سرفروش وہ جانباز وہ جنوں زدگان
جو ہر تعلقِ دنیا کو ترک کرتے ہیں

جو ہنستے ہنستے لگاتے ہیں جان کی بازی
نشاطِ روح کا انعام وہ ہی پاتے ہیں

(۱۲)

مراد یہ نہیں میری کہ اپنے جسم کی ہم
کریں برائی، کہیں اس کو اپنا دشمنِ جاں

غلط ہیں جسم کی مجبوریوں کے سب قصّے
غلط ہیں جسم کی کمزوریوں کے شکوے گلے

غلط ہے کہتے پھریں ہم کو باوجودِ جسم
تلاشِ حق میں قدم اپنے آگے بڑھتے رہے

غلط ہے گر کہیں ہم فخر و تمکنت کے ساتھ
کہ ہم نے یہ بھی کیا وہ بھی کر لیا حاصل

نہ ہو یہ جسم تو ہم کچھ بھی تو، نہ کر پائیں
اسی کے بل پہ ہی ہوتی ہے روح کی پرواز

بلندیوں پہ نشاطِ سرودِ ہستی کی

پرندے اپنے پروں پر ہی جیسے اُڑتے ہوئے
خوشی کے گیتوں کی برکھا فضا میں کرتے ہیں

ہمارا جسم معاون ہے روح کا بس جیسے
گو اس کا اپنا ہے گو روح پر ہی دار و مدار

(۱۳)

سفر میں منزلِ پیری کے ہے یہ پہلا قدم
کہ ہم نے جو بھی وراثت شباب سے پائی

بہ شکر و حمدِ خدا، اس کا اعتراف کریں
جنون و جوشِ جوانی کا جائزہ پھر لیں

جو کام تاب و توانائی سے جوانی کی
جو ان دنوں کی چھلکتی خود اعتمادی سے

جہاں میں پایۂ تکمیل تک پہنچ پائے
بجا ہے ان پہ کریں فخر اور شکر کریں

کہ اُٹھ چکے ہیں بلند کتنے سطحِ حیواں سے
ہمیں جب ہوئیگا احساس آدمیت کا

تو دل میں ہوگی انا الحق کی اک جھلک پیدا
اگرچہ جلوۂ مہر خود آگہی سے ابھی

نظر نہ ہوگی شناسا نہ ہوگا رخشاں دل
مگر سمجھنے لگیں گے کہ ہے کہاں منزل

سفر میں منزلِ پیری کے میرے ساتھ چلو
سکون و صبر و تحمّل، یقین و ایماں کی
اُمید و شوقِ فراواں کی زادِ راہ لئے
نشاطِ رُوح کی منزل ہے اس کا کیف و سُرور
ہے لاکھ خوشیوں سے عہدِ شباب کی بڑھ کر

(۱۴)

یہ وہ مقام ہے رک کر جہاں گھڑی دو گھڑی
تیار ہونا ہے ان مشکلاتِ رہ کے لئے

ہمارے پیش جو آئیں گی آگے جانے میں
نیا سفر ہے نئی راہ ہے نئے خطرے

بہت بڑھے ہیں جو ان زندگی کے خطروں سے
جنھیں شباب میں لیتے ہیں جان بوجھ کے مول

یہ دیکھنا ہے کہ خطراتِ جاں کا ہم کیسے
کریں گے سامنا تیغ و سناں فکر کے ساتھ

ہے پُر خطر یہ سفر آؤ میرے ساتھ چلو
مجھے یقین ہے کہ منزل کو جا ہی لیں گے ہم

(۱۵)

جوانی ختم جب ہوتی ہے، دیکھ سکتے ہیں
جنونِ شوق کی بازی کو ہم کنارے سے
نظر گذشتہ پہ پڑتی ہے بے تعلّق سی
سمجھ میں آتا ہے کیا کھویا، کیا کیا حاصل
جو سرد ہوتے ہیں شعلے شباب کے تو ہمیں
سلگتی راہ میں جیون کا پگھلا پگھلا سا
نشاطِ رُوح کا سونا دکھائی دیتا ہے
طلوع ہوتی ہے، آتا ہے ہم کو صاف نظر
کہ راہ کون سی اپنے لیئے معیّن ہے
تمیز نیک و بد خوب و زشت اصل و مجاز

(۱۶)

یہ مرحلہ ہے کچھ ایسا جوانی ڈھلنے کا
ہو جیسے شام کو محسوس دفعتاً یہ ہمیں
کہ دن گزر گیا، رنگینیوں کو ساتھ لیئے
کہ روشنی کو لیا ہے دبوچ ظلمت نے
اُفق پہ آخری لَو بھی بھڑک کے ڈوب گئی
مگر خیال یہ اُٹھتا ہے ساتھ ہی دل میں
کہ رات بھی تو چراغاں ہے ماہ و انجم سے
کہ ظلمتوں میں بھی ہے راہ کہکشاں روشن
نئی سحر بھی تو دامن میں ہے اندھیروں کے
جو دن گزر گیا تو کیا ہوا کہ قائم ہے
وہ آفتاب درخشاں ہے جس سے سارا جہاں
جلالِ نُورِ ازل جس سے ہے ظہورِ حیات
گئی جوانی تو جانی تھی اس کا غم نہ کرو
سفر میں منزل پیری کے میرے ساتھ چلو
سکون و صبر و تحمّل یقین و ایماں کی
اُمید و شوقِ فراواں کی زادِ راہ لیئے
نشاطِ رُوح کی منزل ہے اس کا کیف و سرور
ہے لاکھ خوشیوں سے عہدِ شباب سے بڑھ کر

(۱۷)

نہیں ہیں ولولے عہدِ شباب کے باقی، نہ جوش ہے نہ وہ گرمی نہ کشمکش کا خروش
دل و دماغ کی سب قوتیں تو زندہ ہیں بقیدِ زندگی ہم زندگی سے بالا ہیں
ممیزہ پہ نہیں گردِ غیض و غصہ کی نظر سے اپنی نہیں فرق خیر و شر کا نہاں
نگہ گذشتہ پہ جاتی ہے تو سمجھتے ہیں کہاں تھا طیش بجا اور ناروا تھا کہاں
کہاں تھی طاعت و تسلیم بزدلی کا نشاں اس آگہی کی مدد سے بڑھیں گے ہم آگے

سفر میں منزلِ پیری کے میرے ساتھ چلو
اُمید و شوق فراواں کی زادِ راہ لئے
نشاطِ رُوح کی منزل ہے اس کا کیف و سرور
ہے لاکھ خوشیوں سے عہدِ شباب سے بڑھ کر

(۱۸)

گذشتہ سے جو لیا درسِ آگہی ہم نے عمل اُسی پہ ہمیں آگے چل کے کرنا ہے
عمل سے راہِ سفر ہوتی جائے گی روشن تجلّیات سے معمور ہو گی فکر و نظر
نظارے صانعِ قدرت کی پاک صنعت کے تماشے سحرِ مجاز و فسونِ ہستی کے
ہمارے سامنے آئیں گے رقص کرتے ہوئے، وہ کھیل "مایا" کے جو کھیلتا ہے خالقِ ہست
ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور خوش ہوں گے پھر ہم پہ راز یہ کھل جائے گا کہ عالم میں
ہم اس کے ساتھ ہیں اِسی "مایا" کھیل میں شامل نشاطِ رُوح کی معراج ہے یہی احساس
اسی کو پانا ہے مقصدِ حیات کا اپنی سفر ہے منزلِ پیری کا بس اسی کے لئے

تم آؤ، آؤ مرے ساتھ اس سفر میں چلو

سکون و صبر و تحمّل، یقین و ایماں کی
اُمید و شوقِ فراواں کی زادِ راہ لیے
نشاطِ رُوح کی منزل ہے اس کا کیفِ سُرور
ہے لاکھ خوشیوں سے عہدِ شباب سے بڑھ کر

(۱۹)

تلاش و سعی و محنت و کشمکش و جنوں
فساد و شورش و جوش و خروش عہدِ شباب
یہ حشر وقت پہ اپنے بہت مناسب تھا
وہ وقت آدمی بننا جو چاہتا ہے کچھ
وہ کرنا چاہتا ہے جب نمایاں کام کوئی
نہ غور و فکر کی ہوتی ہے اس کو جب فرصت
نہ کچھ مشاہدہ حسن و نور فطرت کی
کمالِ صنعتِ خالق کو آنکھ جب اُس کی
گزر چکا ہے مگر وقت اب وہ وحشت کا
اس عمر میں نہیں اچھا جنونِ جوش و خروش
یہ وقت امن و سکوں کا ہے غور و خوض کا ہے
یہ سوچنا ہے ہمیں مرگِ ناگہاں ہے کیا
حقیقت اپنی سمجھنا ہے اور پھر دل سے
نکال دینا ہے سب خوف موت کا یکسر
"خوش آمدی" اسے کہنا ہے جب وہ آئے گی
کہ موت رُوح کی معراج میں معاون ہے
نکلتا دل سے نہیں خوف موت کا لیکن
یقیں اُٹوٹ نہ جب تک ہو ذاتِ باری پر
وہ ذات کل جو زمان و مکاں سے ہے باہر
نہ انتہا ہے نہ ہے ابتدا کوئی جس کی
جو ہر جگہ ہے جو ہر شئے میں خود ہے جلوہ فگن
وہ ذاتِ واحد و مطلق وہ ہستیٔ یکتا
جو ہے بیان سے باہر صفات سے بالا
جو ہے مکمل و مطلق، صداقت و رحمت
جو ہے مسرتِ مطلق، محبتِ کامل
وفا و لطف و کرم، خیر و رحم و عفو و عطا
نشاں ہیں جس کے جمال و جلالِ رخشاں کے
مٹانا موت کا ڈر ہو تو لو وہ ایماں

جو سامنا کرے اس کا جواس پہ غالب ہو

یقین راسخ وکامل جو ہل سکے نہ کبھی
یقیں وہ جس کی ہو عرفانِ ذات حق پہ بنا
یقیں ہے جیسے تمہیں اپنے دست وبازو کا
کوئی یہ کتنا ہی کہتا رہے کہ ان کا وجود
دراصل ہے ہی نہیں، تم کبھی نہ مانو گے
کہو گے ایسے کو تم عقل و ہوش سے عاری
اسی طرح نہ سنو ان کی جو یہ کہتے ہیں
کہ کوئی ہستی نہیں ہے خدا کی دنیا میں
خدا کی ذات کا احساس وعلم ہے جن کو
وہ کرتے آئے ہیں اعلان اس حقیقت کا
یہ کائنات فقط عکس خام ہے جس کا.
یقیں وہ لاؤ خدا پر جو مٹ سکے نہ کبھی
ہزار دنیا یہ کہتی رہے "نہیں ہے خدا"
تم ان کی بات پہ دو مسکرا ذرا اور پھر
خوشی خوشی رہِ حق وصفا پہ چلتے چلو
نشاطِ روح کی یہ راہ جس کا کیف و سرور
ہے لاکھ خوشیوں سے عہدِ شباب کی برتر

(۲۰)

نکل کے روح کی رہ پر نہ مڑ کے پھر دیکھو
اٹل ارادہ ہو قطعی ہو فیصلہ اس کا
کہ جا کے منزلِ مقصود ہی پہ دم لیں گے
نہ سوچو یہ کہ زمانہ خلاف ہے اپنے
کہیں غلط تو نہیں رہ جو ہم نے پکڑی ہے
نہ لاؤ دل میں یہ شک کون ہے یہاں سچا
ہجوم اہلِ جہاں یا مسافر تنہا
بہت مراتب دنیا کا ہو چکا ہے خیال
ہوئے گزشتہ کے آداب سارے فرسودہ
اب اپنی قدر اب اپنے مقام کو سمجھو
بھروسہ اپنے پہ رکھو، قدم بڑھاتے چلو
بڑھو گے آگے تو یہ بات خود ہی پالو گے
کہ راہ روح کی وہ راہ ہے جہاں تنہا
ہر ایک طالبِ ذاتِ احد کو جانا ہے

سکون و صبر و تحمّل یقیں و ایماں کی
اُمید و شوقِ فراواں کی زادِ راہ لئے

(۲۱)

یہ سچ ہے کہتا ہوں میں ایک جو، وہ دوسرے دس — غلط بتاتے ہیں، اور جس سے ہے لگن مجھ کو
وہ ان کو بھاتا نہیں ایک آنکھ بھی یکسر — چُنا ہے میں نے جو اپنے لئے طریقِ عمل
وہ اس سے رستے میں کوسوں ہی دُور، اور مجھے — غلط روی کا بھی الزام دیتے رہتے ہیں
مجھے جو ہوتا ہے حاصل دعا و طاعت سے — اُسے فضول سمجھتے ہیں اپنے زعم میں وہ
ہنسی اُڑاتے ہیں، کہتے ہیں اس کو بے معنی — ہیں ایک اور وہ دس، وہ بھی آدمی ہیں بھی
جو آنکھ، کان، زباں، ہاتھ، پاؤں کو دیکھو — تو پاؤ گے نہ کوئی فرق اُن میں اور مجھ میں
ہیں نکتہ ہائے نظر اتنے متضاد مگر — کہ ہر طریقِ عمل مختلف ہے دونوں کا
یہ دیکھنا ہے کہ اس کا ہو فیصلہ کیونکر — کہ ٹھیک کہتے ہیں وہ یا ہے بات سچی مری
وہ اپنی جا پہ ہیں سچے میں سچا اپنے میں — سوال حدِّ نظر وسعتِ نگاہ کا ہے
میں اتنا جانتا ہوں مجھ سے یہ نہ ہو گا کبھی — کہ اختیار، سمجھ بوجھ کر جو راہ کی ہے
وہ کہنے سُننے میں آ کر کسی کے ترک کروں — میں چل کے آیا ہوں اس شاہراہِ عام پہ بھی
کشادہ بھی ہے جو ہموار بھی ہے روشن بھی — کیا ہے خود ہی اُسے ترک، ایسی راہ کیلئے
جو پُرخطر بھی ہے تاریک بھی ہے مشکل بھی — مجھے یقین ہے کہ آخر سبھی کو اس راہ سے
گزر کے منزلِ مقصود کو پہنچنا ہے — میں آج کرتا ہوں تلقینِ ہمرہی تم کو

سفر میں منزلِ پیری کے میرے ساتھ چلو
سکون و صبر و تحمّل یقین و ایماں کی

امید و شوق فراواں کی زادِ راہ لئے
نشاطِ روح کی منزل ہے اس کا کیف و سرور
ہے لاکھ خوشیوں سے عہدِ شباب سے بڑھ کر

(۲۲)

صفا و حق کی کسوٹی نہیں ہے شہرتِ عام — نہ کارنامے ہیں آئینہ روح کی عظمت کا
معیار اور ہے دنیا کا اور میرا اور — نظر میں دنیا کی جو ہے عظیم و بیش بہا
ہے قدر اس کی نہ قیمت نگاہ میں میری — جہاں کی قدریں ہیں اپنی جگہ مگر، ان سے
بلند و اعلیٰ و برتر ہیں روح کی قدریں — اٹھاؤ پست نظر کو فرازِ ہستی تک
بلندیاں تمہیں اب عرش کی بلاتی ہیں — ہوا ہی کیا جو فضا میں سحابِ شک ہیں رواں
اندھیری رات اگر راستے میں حائل ہے — تو ڈر نہیں کہ رہِ کہکشاں درخشاں ہے

صلائے عام ہے، معراجِ روح کی خاطر
سفر میں منزلِ پیری کے میرے ساتھ چلو
سکون و صبر و تحمل یقین و ایماں کی
امید و شوق فراواں کی زادِ راہ لئے
نشاطِ روح کی منزل ہے اس کا کیف و سرور
ہے لاکھ خوشیوں سے عہدِ شباب سے بڑھ کر

(۲۳)

معیارِ دنیا کبھی بھی پرکھ نہیں سکتا — لطافتیں جو نہیں ہیں گرفتِ خمسہ ہیں
نہ دنیا سمجھے گی ناپختہ جبلتوں کی اٹھان — نہ جا سکے گی وہ تحت الشعور کی تہہ تک

ہیولائے ہست کا اس کی نظر میں وہم و گماں

دماغ و عقل میں دُنیا کے آ نہیں سکتے | لطیف و پاک خیال آتما کی عظمت کے
بلند و بالا مقاصد ہماری ہستی کے | جہاں میں وقعت و قیمت نہیں ہے کچھ ان کی
ہیں ان اعلیٰ مقاصد کو ہے اب اپنانا | اور ان لطیف خیالات تک پہنچنا ہے

(۲۴)

تصوّراتِ لطیف و تفکّراتِ بلند | ہوئے ہیں اور نہ ہو پائیں گے کبھی محدود
مجسّمات میں دُنیا کے کارناموں کے | نہ آسکیں گے یہ قیدِ بیاں میں بھی ہرگز
فضا زبان کی وسعت پذیر ہے بیشک | زباں کی بڑھتی ہوئی وسعتیں مگر ان کو
کبھی بھی لے نہیں سکتی لپیٹ میں اپنی | بیاں میں آکے بھی رہتے ہیں ماورائے بیاں
مرے خیال مری فکر میرے محسوسات | حواسِ خمسہ کے پردے پہ جو نہ آپائے
زمانہ جن سے رہا بے خبر و لاپروا | اُنہی کے دم سے ہے آزاد روحِ رخشندہ

اگرچہ قالبِ خاکی میں یہ مجسّم ہے

انہی پہ ناز ہے مجھ کو کہ نظرِ خالق میں | وہی عزیز ہیں، ان ہی میں اس کی برکت ہے
انہی خیالوں میں ان ہی تفکّرات میں آج | شریک ہونے کی دعوت میَں سب کو دیتا ہوں

سفر میں منزلِ پیری کے میرے ساتھ چلو
سکون و صبر و تحمّل، یقین و ایماں کی
اُمید و شوق فراواں کی زادِ راہ لئے
نشاطِ رُوح کی منزل ہے اس کا کیف و سرور
ہے لاکھ خوشیوں سے عہدِ شباب سے بڑھ کر

(۲۵)

یہ تم نے دیکھا ہی ہوگا کہ چرخ کوزہ گراں
ہمیشہ گھومتا رہتا ہے اپنے محور پر
ہے گیلی مٹی مگر اپنی ہی جگہ قائم
جو شکل چاہے اُسے کوزہ گر وہیں دیدے
اسی طرح ہے زماں بھی ہمیشہ گردش میں
اور آپ گِل کی طرح ہم زماں میں قائم ہیں
کمالِ صنعتِ خالق سے صُورتیں لاکھوں
اُترتی رہتی ہے ہر دم مکاں کی وسعت میں
بنائے اصل نہیں ہیں یہ صُورتیں فانی
اگرچہ دُنیا میں ایسے بھی ہیں بہت سے لوگ
نشے میں عیشِ جہاں کی جو کہتے رہتے ہیں
کہ کل گزر گیا اک دوسرے کا کس کو یقیں
ہے آج آج اسے ہاتھ سے نہ جانے دو

(۲۶)

جو مجھ سے پوچھو تو ناداں و کم نظر یہ لوگ
ابھی سمجھ نہیں پائے ہیں اس حقیقت کو
وہ لازوال ہے، ہرگز جو مٹ نہیں سکتی
زماں اٹوٹ ہے ماضی و حال و مستقبل
ہیں اس کے جزو جو پیدا ہیں کم نگاہی سے
جو کل تھا آج وہی ہے رہے گا کل بھی وہی
تغیّرات میں خاکی ثبات ہے ازلی
بدلتی رہتی ہیں، بنتی ہیں اور بگڑتی ہیں
تمام صُورتیں ارضی یہی ہے مرگ و حیات
مگر ہے زندۂ جاوید رُوح، غیب و شہود
یہ جلانا، مارنا، تو ہے کھیل ذاتِ باری کا
وہ آفتاب احد، ہم شعاعیں ہیں جس کی
ہر اک شعاع کی بظاہر تو ہے جُدا ہستی
دراصل ہے مگر اک آفتاب نُور فشاں
کرن کرن ہے بذاتِ خود آفتاب اِن کی
بس اک وہی تھا، وہی ہے، وہی رہیگا مدام
ہیں جیسے گردشِ ارضی سے رات دن پیدا

اسی طرح سے ازل اور ابد ممات و حیات
زماں کی گردشِ پیہم سے ہیں ظہور پذیر
یہ جسم خاکی ہے لیکن ہے رُوح لافانی
ہمیشہ چلتا ہی رہتا ہے چرخ کوزہ گر
رضائے صانع سے آہستہ اور تیز کبھی
وہ روک بھی اسے لیتا ہے جب کبھی چاہے
یہی مجاز و حقیقت کا کھیل ہے جس میں
رضائے صانع ہے صانع ہے اور اس کا فن
جو آب و گل کی کئی صُورتوں میں پیدا ہے
جہاں میں ہستی تو ہے ایک ذات باری کی
نہیں ہے اور کوئی شئے کہیں بھی اس کے سوا
شہود و غیب ہے اعجاز اس کی قدرت کا

(۲۷)

یہ رقصِ چرخ، یہ کوزہ گری کا سحرِ شہود
ہمارے روکے سے چکر یہ رک نہیں سکتا
شباب مرحلہ ہے ارتقائے ہستی کا
ہزار چاہیں کہ رک جائیں اس مقام پہ ہم
مگر یہ ہو نہیں سکتا۔ اصول ہے یہ اٹل
"ثبات ایک تغیر" کو ہے زمانے میں"
بھلائی اپنی اسی میں ہے اپنے آپ کو ہم
رضائے ایزدی پہ چھوڑ کر جہاں میں جئیں
ہماری مٹی کو جو چاہے رُوپ وہ دیدے
اور اس کا کام جو لینا ہو اس کو وہ لے لے

(۲۸)

ہوا ہی کیا جو جوانی گزرتی جاتی ہے
جو دل میں اب نہیں پہلے سا ولولوں کا جوش
جو گونجتے نہیں اب قہقہے محبت کے
سنجیدہ فکر کی آواز پر نہ گھبراؤ،
دل و دماغ کی گہرائیوں سے اُٹھتی ہے
وہ ہاتھ کی تھی جنھوں نے شباب کی تشکیل
اب آب و گل کو نئی شکل کر رہے ہیں عطا

ہے ارتقا کا تقاضہ یہی، قبول کرو
تم اپنی رُوح کی معراج میں نہ ہو حائل

(۲۹)

وہاں نہ دیکھو جہاں سے اُٹھ آئے ہو کب کے
یہ دیکھو اب ہو کہاں اور جا رہے ہو کہاں

نظر کو تیز کرو، دل وسیع، فکر بلند
نہ دیکھو یہ کہ کبھی تم تھے محض تودۂ گِل

یہ دیکھو تودۂ گِل ہے وہ جام بادۂ ناب
بچھا ہے دیکھو تو اک خوانِ نعمتِ نایاب

یہ دیکھو کتنی چراغاں ہوئی ہے شامِ حیات
سُنو تو دیتی ہے شہنائی کیا نویدِ نشاط

دمک جلال کی دیکھو جبینِ ساقی پر
لبوں پہ رنگ تبسّم، نظر میں کیف جمال

اور اس کے ہاتھ میں ہے ساغرِ سرورِ حیات

یہ جام ہے وہی اپنا وجودِ آب و گِل
وہی ہے قالب خاکی یہ جس میں بادۂ ہست

چھلک رہا ہے خوشی سے کہ مشتِ خاک آخر
سموئے اپنے میں ہے برقِ رُوحِ اعظم کو

یہی ہے منزلِ ہستی یہی ہے حاصلِ عمر
چلا کرے اسے چلنا ہے جیسے چرخِ زماں

تماشہ بام دو عالم سے اب کریں گے ہم

(۳۰)

مرے خدا مرے خالق و کردگار مجھے

ہے اب بھی آسرا ایسے میں تیری رحمت کا
سہارا جیسے تھا پہلے تری عنایت کا

زماں کے چرخ سے پیوستہ جب تھی میری حیات
جب اس کے ساتھ ہی گردش میں میں بھی رہتا تھا

بدلتی رہتی تھی صُورت اس آب و گِل کی مری
اور آئے دن چڑھا کرتے تھے اس پہ رنگ نئے

مگر تجھے نہیں بھولا کبھی بھی میں یارب

جس حال میں بھی کرم نے ترے مجھے رکھا
میں اپنے آپ کو کرتا رہا سپرد ترے
یہی تھی میری تمنّا و آرزو و دُعا
کہ ایک دن ترے قابل ہو یہ وجود مرا
کہ تو مجھے بھی اپنا لے دستِ شفقت سے

(۱۳۱)

ہزار شکر کہ وہ دن اب آن پہنچا ہے
میں تیری رحمتوں کا دے کے واسطہ تجھ کو
قبول عرض کی کرتا ہوں التجا تجھ سے
جو مجھ میں ہیں ابھی دورانِ ارتقا کے عیوب
سرشت میں میری جو خامیاں ابھی تک ہیں
مٹا دے عیب وہ اور دُور خامیاں کر دے
بنا لے تو مجھے اپنا۔ یہی تو مقصد ہے

شہود و غیب کے اس کھیل کا جسے تو نے
رچا ہے نشۂ سرور و نشاط کی خاطر
تری رضا کی ہو تکمیل اس طرح یارب
یہ آب و گِل جو ترے ہاتھ میں بنا ہے جام
چھلکتے جاتے ہیں جس سے شرارہ ہائے نشاط
پگھل کے جام یہ بن جائے خود مئے گلفام
جب اس کو لمس لبِ سرمدی کا ہو حاصل
بس ایک تو ہو، تو ہی تو ہو اور تیری رضا
نشاطِ ہست کی موجیں ہو اور بحرِ نشاط
یہ ارتقائے بشر کے کمال کا ہے عُروج
یہ زندگی کے سفر کی طویل راہوں کا
زمانِ طفلی و عہدِ شباب و پیری کا
ہے اختتام مبارک، بقائے مست و نشاط
"صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے"

سفر میں منزلِ پیری کے میرے ساتھ چلو
سکون و صبر و تحمّل یقین و ایماں کی

اُمید و شوقِ فراواں کی زادِ راہ لئے
نشاطِ رُوح کی منزل۔ ہے اس کا کیف و سرُور
ہے لاکھ خوشیوں سے عہدِ شباب سے بڑھ کر

اگست ۱۹۷۸ء

ہمتر جمے: حصّہ اول صفحہ ۲۶۷ اور حصّہ چہارم صفحہ ۸۰ پر دیکھئے

مرزا محمد بہادر یاؔدر

جذبِ عشق

اک جزیرہ گرد جس کے ہے پہاڑوں کی قطار
کچھ بڑے چھوٹے ہیں کچھ ٹیلوں کی صورت آشکار
سطح سے پانی کی ہوتا ہے کسی جا ہمکنار
بحر کی آغوش میں یہ ہے نمایاں مرغ زار
نگ زمرد کا ہے جس کے گرد صاف الماس ہیں
سبز رویوں کے لئے دلکش جواہر پاس ہیں

اک جزیرہ میں ہے آبادی نہایت خوشنما
چھوٹے چھوٹے گو مکاں ہیں پر بہت ہی دلربا
باغ بھی کثرت سے ہیں سب باصفا و پر فضا
آبِ شیریں کی جہاں نہریں ہیں جاری جابجا
اس کے منظر بھی سہانے لوگ بھی خوش باش ہیں
پاس ان کے غم نہیں آتا سدا بشاش ہیں

مندروں میں جا کے کرتے ہیں عبادت صبح شام
اور دن بھر کام سے اپنے انھیں رہتا ہے کام
رات بھر آرام سے سوتے ہیں بے کھٹکے مدام
صبح کو اُٹھ کر کیا کرتے ہیں گھر کا انتظام
ان کو دُنیا کے بکھیڑوں سے غرض کچھ بھی نہیں
بیٹھے بٹھلائے کی فکروں کا مرض کچھ بھی نہیں

پیشہ ور کچھ ہیں تو کچھ بستی میں رہتے ہیں کسان   سادگی ہے طبع میں اور سادگی میں آن بان

راست بازی پر وہ مائل راستی کو اُن سے شان   کج روی کا نام کو اُن میں نہیں ملتا نشان

قوتِ بازو پہ تکیہ اور خوشی کے خواستگار

فضل خالق پر بھروسہ اور اسی کے خواستگار

ہے سمندر کا کنارہ سیر کا ان کے مقام   یہ ٹہلتے واں چلے جاتے ہیں اکثر وقت شام

ہے عجب پُر لطف کچھ اس کا سماں بھی لاکلام   اس کی موجوں کے وہ گھٹنے اور بڑھنے کا نظام

جب اُٹھیں خوش رنگ صدہا سیپیاں بکھرا گئیں

کوڑیاں اپنے خزانے سے کبھی پہنچا گئیں

ہے پہاڑوں کے شگافوں میں کبھی ان کا گزر   زرد بالو سے انھیں بھر کر چلی آئیں اِدھر

ہیں درخشندہ ستارے جن میں آجاتے نظر   چاندنی راتوں میں یہ منظر ہے دونا لطف پر

اس کی زردی ایک جا پر صورت زر ہوگئی

دن کو جب دیکھا زمیں چاندی کا پتّر ہوگئی

سیپیاں خوش رنگ و خوش اسلوب لاکر ڈال دیں   قعر دریا سے کنارہ پر اٹھا کر ڈال دیں

اپنے مصرف سے جو تھیں زائد تو آکر ڈال دیں   کھیلنے کو سامنے بچوں کے جا کر ڈال دیں

جھولیاں بھر بھر کے بچے اپنے گھر کو لائے ہیں

خوش ہیں وہ ایسے کہ گویا لعل و گوہر پائے ہیں

کھیلتے ہیں تین بچے اک طرف وہ ریگ پر   ہفت سالہ اک پری پیکر بھی آتی ہے نظر

ہے اسی کا نام اینی لی حسینِ خوش سیر   اس کا ثانی تو نہیں دنیا میں سچ پوچھو اگر

پیاری پیاری بھولی بھولی شکل شرمائی ہوئی
کیا بھلی لگتی ہے رُخ پر زُلف خم کھائی ہوئی

بچپنے کی سادگی نے اک قیامت ڈھائی تھی
قد وہ بوٹا سا نمو نے راہ جس میں پائی تھی
وہ رسیلی آنکھ نرگس جس کی خود شیدائی تھی
عکسِ عارض سے گلوں میں سُرخ رنگت آئی تھی

ابروؤں کے دید کی خاطر ہلال آتا رہا
چودھویں کا چاند اس کے رُخ سے شرماتا رہا

ساتھ اس کے ہیں جو دو لڑکے حسین و خوش سیر
ایک ہے ملاح کا اور ایک تاجر کا پسر
نام ہے اک کا اناک اور اک فلپ عالی گہر
عمر نو دس سال کی آپس میں ہیں شیر و شکر

وہ حسین یہ طفل دونوں ایک جا کرتے بسر
کھیلتے تھے اور اُلفت سے سدا کرتے بسر

دونوں لڑکوں میں یہ ہو جاتی تھی اکثر قیل و قال
کہتا تھا ملاح کا لڑکا کہ یہ زہرہ جمال
ہے دولہن چھوٹی سی مری اس کا تم رکھنا خیال
دوسرا کہتا تھا میری ہے دولہن یہ نیک فال

دونوں لڑکے اس طرح اکثر جھگڑتے ہی رہے
فیصلہ ہوتا نہ تھا ہر چند لڑتے ہی رہے

تھا اناک ان میں قوی تن اور فلپ تھا دھان پان
عمر میں کم تھا زیادہ تھی مگر کچھ آن بان
وہ قوی ہیکل بھی تھا اور تھی شجاعت کی بھی شان
اس میں استقلال اور صبر و تحمّل کی تھی آن

روز ہوتی تھی لڑائی فیصلہ ہوتا نہ تھا
لڑتے تھے وہ قطع لیکن سلسلہ ہوتا نہ تھا

کہتی تھی وہ تم نہ آپس میں لڑو میرے لئے
یہ جہالت ہے کہ یوں تم جان دو میرے لئے
دوست صادق ہو جو تم دشمن نہ ہو میرے لئے
دُور کر دو رنج و غم آپس کا لو میرے لئے

میں دلہن دونوں کی ہوں دونوں کی میں دلدار ہوں
دلرُبا دونوں کی ہوں دونوں کی میں غم خوار ہوں

پاک اُلفت اور محبت میں کٹے جب چند سال
اور پہنچے رشد کو اپنے یہ تینوں نونہال
شہرۂ آفاق اپنی کا ہوا حُسن و جمال
چال سے ہونے لگے عشاق کے دل پائمال

حُسن کو اس کے جوانی نے دو بالا کر دیا
تلخ شیریں کو کیا لیلیٰ کو کالا کر دیا

چاند سا چہرہ تھا جس نے بدر کو شرما دیا
مثل خورشید اور جوشِ حُسن نے گرما دیا
نوکِ مژگاں نے دلِ عشاق کو برما دیا
لطف نغمہ کا ملا جب منہ سے کچھ فرما دیا

چشم میگوں کے نظارہ سے ہر اک سرشار تھا
سامنے جو آگیا ناوک جگر کے پار تھا

تھا اشارہ ابروے خمدار کا آؤ اِدھر
ہے یہ محرابِ درِ اُمید اے اہلِ نظر
منتیں مانو مُرادوں کے ملیں تم کو ثمر
آرزوئیں جس سے بر آئیں یہ قد ہے وہ شجر

زندگی کا لطف اس کی دید سے ملتا رہے
غنچۂ اُمید اس کے وصل سے کھلتا رہے

یہ پری پیکر جو دیکھو غور سے اک حُور ہے
نام کو یہ نار ہے لیکن سراپا نُور ہے
یہ قد موزوں ہے اس کا یا کہ شمعِ طور ہے
موسیٰ عمران کو عشق آجائے تو کیا دُور ہے

پاس سے پریاں نہ جائیں اس کا سایہ چھوڑ کر
اس کا دم بھرنے لگیں زاہد بھی توبہ توڑ کر

اس کے خواہش مند تھے دنیا کے اکثر نامور
چاہتے تھے عقد کر لیں تا بعشرت ہو بسر
بچپنے سے تھا فدا اس پر اناک خوش سیر
اور تھا اس ماہ وش کے بھی وہی مدِّ نظر

غنچۂ امید ان دونوں کا آخر کھل گیا
اور ان دونوں کی شادی ہو گی دل مل گیا

اس دلہن کے واسطے اس نے خریدا اک مکاں
خانہ داری کا بھی ساماں کچھ مہیا تھا وہاں
عالم عشرت کا ان چیزوں سے ملتا تھا نشاں
غم نہ تھا اس مہروش کو تھی ہمیشہ شادماں

اپنے شوہر کی شکایت لب تلک آتی نہ تھی
غیر کی ثروت نظر میں کچھ سماتی ہی نہ تھی

کر دیا اللہ نے اولاد سے بھی بہرہ ور
پہلے اک لڑکی ہوئی اور بعد اس کے ایک پسر
چاند کے ٹکڑے تھے یا دونوں کے تھے لختِ جگر
پھر عطا ان کو ہوا ایک تیسرا نورِ نظر

تیسرا بچہ نحیف و ناتواں و زار تھا
ماں فدائی جس کی تھی اور باپ بھی غم خوار تھا

بعد شادی کے کٹے اس طرح ان پر سات سال
ہو گئے مفلس رہا کچھ بھی نہ ان کے پاس مال
کر دیا آخر زبوں ان کا پریشانی نے حال
اپنی ناداری کا پھر بڑھنے لگا رنج و ملال

رنج و غم کھاتی تھی اپنی اس کو حیراں دیکھ کر
دلدہی کرتی تھی شوہر کو پریشاں دیکھ کر

اس نے ٹھانی دل میں کرنا چاہیئے مجھ کو سفر تاکہ اطمینان سے دنیا میں ہو جائے بسر
اک جہاز اس نے بنایا کشتیاں سب بیچ کر اور تجارت کا بھی کچھ ساماں ہوا مدِّ نظر
باندھ لی آخر کمر اس نے جدائی کے لئے
ہو گیا تیار قسمت آزمائی کے لئے

فکر روزی دیکھئے کرتی ہے کس کس سے جدا گھر بھی چھوٹا اور وطن بھی اور سارے اقربا
دوست چھوٹے بچپنے سے جن کا ہر دم ساتھ تھا چھٹ گئے لختِ جگر اور ماہ طلعت دل رُبا
ایک دم کو جن کا ہٹ جانا گوارا ہی نہ تھا
خود تڑپتا چھوڑ جائے اور چارہ ہی نہ تھا

رُوح کو بالیدگی ہوتی تھی جن کو دیکھ کر چھٹ گئے اور قلب کی تسکین تھی ان کو دیکھ کر
دل کو دے گا اب تسلّی آہ کن کو دیکھ کر شامِ فُرقت کا تصوّر ہو گا دن کو دیکھ کر
چھوٹ کر پیاروں سے اپنے کیا بھلا چین آئے گا
عالمِ غربت میں اب کس طرح دل بہلائے گا

ہو گئی اپنی دم رخصت نہایت بے قرار عارضِ تاباں پہ اشکوں کی بندھی تھی اک قطار
دوش پر شوہر کے سر تھا رنج و غم سے ہمکنار چشم ہائے نرگسی سے تھے رواں دو جوئبار
شکل راحت اب نظر ایک دم کو آتی ہی نہ تھی
دل پہ قابو وہ کسی صورت سے پاتی ہی نہ تھی

دیکھتی تھی اپنے بچوں کو وہ رو کر بار بار دل میں کہتی تھی کہ ہو گا کون ان کا غم گسار
کس طرح پالوں گی ان کو اے مرے پروردگار کون ہمدردی کرے گا کس کی ہوں گی شرمسار

کیا کروں گی میں شریکِ حال کس کو پاؤں گی
کس طرف ان بیکسوں کو لے کر جاؤں گی

یہ مرے معصوم بچے ہیں نہایت خورد سال
باپ ماں کے ہیں ابھی محتاج میرے نونہال
پاس مجھ کم بخت کے زر ہے نہ دولت ہے نہ مال
کیوں نہ شوہر کی جدائی سے ہو میرا غیر حال

چاہیے آمادہ ہو جاؤں فقیری کے لئے
کون اٹھے گا جہاں میں دستگیری کے لئے

اس کو شوہر کی جدائی ایک مصیبت ہو گئی
مردنی چہرے پہ چھائی غیر حالت ہو گئی
ایک سکتا سا ہوا پتھر کی مورت ہو گئی
غم کی صورت بن گئی تصویرِ حیرت ہو گئی

اب یہ بچنے کی نہیں سب کو گماں ہونے لگے
موت کے آثار چہرے سے عیاں ہونے لگے

بحرِ غم میں ڈوب کر شوہر رواں سوئے جہاز
ماہیِ بے آب کی صورت تپاں یہ سرو ناز
تھا سمندر ہیں الم کے اس طرف وہ پاک باز
اس طرف خشکی پہ مرگ و زیست میں راز و نیاز

پھنس گیا تھا اس طرف وہ ورطۂ افکار میں
ناؤ اس کی رہ گئی ہے ناخدا منجھدار میں

تھے غم و ہم کے تلاطم میں یہ دونوں مبتلا
اور دریائے تفکر میں تھا دل ڈوبا ہوا
ورطۂ افکار پر ان کا نہ کچھ قابو چلا
آگیا گرداب کے پھندے میں دونوں کا گلا

موت گو آئی نہیں صورت مگر دکھلا گئی
کشتیٔ عمرِ رواں چکر میں آخر آ گئی

بادباں کھولے گئے اور اٹھ گیا لنگر ادھر — اور گھنٹی بھی جدائی کی بجی وقتِ سحر
رہ گئی ساحل پہ دل کو تھام کر یہ نوحہ گر — دل ہوا تابِ سے باہر جاں چلی تن چھوڑ کر

دم کا گھٹنا تھا قفس تھا قید کا آغاز تھا
طائرِ روحِ رواں بھی مائلِ پرواز تھا

ٹکٹکی باندھے سوئے دریا کھڑی تھی یہ وہاں — ہے لبِ جو سرو استادہ یہ ہوتا تھا گماں
یا سمندر سے قد آدم تھا اک شعلہ عیاں — شمع بزمِ حسن تھی با اشک ریزاں در فشاں

اک پری یا چھوڑ کر نکلی تھی کوہستان کو
حسن کی دیوی اتر آئی تھی یا اشنان کو

بہرِ پابوسی بڑھی آتی تھیں موجیں بار بار — چومے لیتی ہیں قدم لہروں سے تھا یہ آشکار
مردم آبی اٹھے پوجے کی بس کر کے بچار — شور تھا دریا کا ناقوسِ برہمن کی پکار

سیپیاں تو رونمائی کو گہر لانے لگیں
مچھلیاں درشن کو ابھریں اور قریب آنے لگیں

لعل لب کے سامنے مچھلی جو کوئی آ گئی — عکس عنابی لبوں کا پڑ گیا اترا گئی
سرخ رنگت ہو گئی جوڑا اشتہا نہ پا گئی — نسل میں اس کی سراسر سرخ رنگت چھا گئی

آب دریا کو اسی سے برتری ہونے لگی
فیضِ رخ سے شاخ مرجاں بھی ہری ہونے لگی

آب کو اس کے رخ زیبا سے جنت مل گئی — تھا نمک جو حسن میں اس کے ملاحت مل گئی
سلک گوہر عکس دنداں کی بدولت مل گئی — موتیوں کی آب داری و لطافت مل گئی

رُوئے روشن سے فلک پر مہر شرمانے لگا
عکسِ بدرِ رخ سے بدر پانی میں نظر آنے لگا

تھی لبِ ساحل کھڑی اس سمت یہ زہرہ جمال
فرطِ غم سے اس طرف شوہر تھا کشتی میں نڈھال
سر بزانو فکر میں تھا غوطہ زن وہ پُر ملال
آہ لب پر چشمِ پُرنم قلبِ مضطر غیر حال
دل تھا مضطر دیکھتا جاتا تھا ساحل کی طرف
آنکھ ساحل کی طرف تھی اور نظر دل کی طرف

اس طرف یہ حورؔ وش تھی ساکت و صامت کھڑی
بے خبر ہر شئے سے تھی اور آنکھ کشتی سے لڑی
یاس و حسرت کی تھی یورش اور مصیبت تھی پڑی
رُوح و تن کی جس طرح سے ہو جُدائی کی گھڑی
جب جہاز اس کو ستارہ سا نظر آنے لگا
صُبح فرقت کا سماں رُخ اس کو دکھلانے لگا

با دلِ رنجور پلٹی اپنے گھر کو سوگوار
انگلیاں دو طفل پکڑے گود میں اک شیر خوار
پہنچی اپنے کلبۂ احزان میں با صد اضطرار
رنج میں روتی ہوئی تھی دل گرفتہ بے قرار
جس طرح ممکن ہوا آخر گذر کرنے لگی
عالمِ عسرت میں اپنی وہ بسر کرنے لگی

گود کا بچہ تھا پہلے ہی سے زار و ناتواں
طول کھینچا اس کی بیماری نے اور گھبرائی ماں
جاں بحق تسلیم آخر ہو گیا وہ نیم جاں
رہ گئی اپنا کلیجہ تھام کر گریہ کناں
چرخِ کج رفتار نے سینہ کو غم سے بھر دیا
داغِ دل نے اس پریشانی کو دونا کر دیا

پاس اس کے ایک دن آیا فلپ عالی تبار — حال ہمدردی سے جب پوچھا ہوئی یہ اشکبار
بے قراری بڑھ گئی پایا جو اپنا غم گسار — تھی یہ گریہ در گلو اور رو رہی تھی زار زار

نطق پر قابو نہ تھا خاموش رہ سکتی نہ تھی
پڑ گیا تھا قفل منہ میں کچھ وہ کہہ سکتی نہ تھی

دی فلپ نے اس کو تسکیں اور سمجھانے لگا — بے خبر اب تک رہا کیوں اس سے شرمانے لگا
حال پر ان بیکسوں کے رنج و غم کھانے لگا — ضبط مشکل تھا کلیجہ منہ کو جب آنے لگا

پی کے آنسو کھا کے غم اینی کو سمجھاتا رہا
دونوں بچوں کو بٹھا کر پاس بہلاتا رہا

پھر کہا اینی سے یوں اس نے بعجز و انکسار — آہ کب تک یوں رہو گی رنج و غم سے ہمکنار
گھر مرے چل کر رہو میں ہوں تمہارا غم گسار — مورد افکار کیوں ہو خوش رہو لیل و نہار

دونوں بچوں کو میں سمجھوں گا مرے دلبند ہیں
آج سے مرے یہ دونوں دختر و فرزند ہیں

سن کے یہ اینی کو غیرت سے پسینہ آگیا — سرخ رنگت ہو گئی چہرے پہ غصہ چھا گیا
اس تغیر سے فلپ بے انتہا گھبرا گیا — اپنی ہمدردی کو ظاہر کر کے وہ شرما گیا

اور کہا للہ دل میں دھیان کچھ لاؤ نہ تم
بدگمانی کے سبب سے رنج و غم کھاؤ نہ تم

دوست ہے میرا اناک خوش نہاد و خوش سیر — وہ تمہارا شوہر عالی نسب والا گہر
آئے گا اک روز آخر ختم کر کے یہ سفر — اس سے لے لوں گا جو ہوگا صرف میرا مال و زر

صرف تم جو کچھ کروگی یہ سمجھ لو قرض ہے
دستگیری دوست کے بچوں کی میرا فرض ہے

دونوں بچے لائقِ تعلیم ہیں اے خوش سیر　　اب یہی سن ہے سکھانا چاہیئے علم و ہنر
گر ہوئی غفلت تو پچھتانا پڑے گا عمر بھر　　فکر ان کی چاہیئے ہے اب ہمیں شام و سحر
لائقوں میں نام ان کا ہو یہی مقصود ہے
ان کی خدمت کے لئے ناچیز تو موجود ہے

نامناسب ہے اگر جانا، رہو تم اپنے گھر　　ہاں مگر بچے یہ دونوں ہیں مرے لختِ جگر
ان کو اپنے پاس میں رکھوں اجازت دو اگر　　یہ کسی صورت سے لائق ہوں یہ ہے مدِّ نظر
سر جھکا کر شرم سے اس نے کہا مختار ہو
اب یقیں آیا کہ تم بیشک مرے غم خوار ہو

لے گیا بچوں کو ساتھ اپنے فلپ عالی تبار　　ہو گیا ان بیکسوں کا جان و دل سے غم گسار
ان کو بے دیکھے اسے آتا نہ تھا اک دم قرار　　فکر میں تعلیم کی ان کے رہا لیل و نہار
ان سے غافل ایک لحظہ بھی یہ رہ سکتا نہ تھا
اس کے بچے وہ نہیں یہ کوئی کہہ سکتا نہ تھا

اس کی شفقت دیکھ کر سمجھے یہ دونوں خرد سال　　ہے وہی ان کا پدر اور ہیں یہ اس کے نونہال
باپ ہی کہہ کر کیا کرتے تھے یہ اس سے مقال　　باپ بھی وہ جس کو بچوں سے محبت ہو کمال
چھوڑ کر تنہا کبھی اس کو نہیں جاتے تھے وہ
کوئی دم کو پاس اپنی ماں کے ہو آتے تھے وہ

گھر کے دھندے سے فراغت پا کے انی بیقرار　　آئی تھی دریا پہ یوں جیسے کوئی امیدوار
دل فگار و دل گرفتہ اشک ریز اشک بار　　بیٹھ کر ساحل پر وہ رہتی تھی محوِ انتظار
دُور ہیں ایک وہی ہوئی شوہر کی بھی ہمراہ تھی
دل میں یاد آنکھو ںلیں اشک غم لبوں پر آہ تھی

دیکھتی جاتی تھی دریا کی طرف وہ مہ جبیں　　تا نظر آجائے کشتی اس کے شوہر کی کہیں
پھر پلٹ آتی تھی گھر پہ ہو کے مایوس حزیں　　آنکھ میں آنسو لبوں پر آہ دل اندوہ گیں
کلبۂ احزاں میں اپنے آکے پڑ رہتی تھی وہ
یاس اور اُمید کی رعذ آفتیں سہتی تھی وہ

دونوں بچوں نے یہ آکر ایک دن اس سے کہا　　سیر جنگل کی کریں گے آپ بھی چلئے ذرا
سہ پہر کا وقت ہے صحرا ہے اور ٹھنڈی ہوا　　وہ اٹھی چلنے کو اتنے میں خلیپ بھی آگیا
ساتھ اپنے اس کو بھی اصرار کر کے لے چلو
کام ننھے ہر چند پر ناچار کر کے لے چلو

کھیلنے میں ہو گئے مشغول دونوں خرد سال　　اور اینی و فلیپ کرتے تھے ان کی دیکھ بھال
اپنے بچپن کا انھیں بھی یک بیک آیا خیال　　پہلے اینی نے کیا ساتھی سے اپنے یوں سوال
ہم بھی یونہی کھیلتے تھے یاد ہے کیا دن تھے وہ
کیسی بے فکری تھی حاصل کیوں غلیپ کیا سن تھے وہ

کھیلتے تھے ساتھ ہم تم اور اناک آٹھوں پہر　　ایک جا رہتے تھے ہم تینوں سدا شام و سحر
اس پہ کیا گزری خدا ہی کو ہے بس اس کی خبر　　کس طرح وہ کر رہا ہوگا خدا جانے بسر

بھول جاوئے وہ ہمیں باور یہ آسکتا نہیں
خود بھی آسکتا نہیں ہم کو بلا سکتا نہیں

سُن کے یہ اس سے فلپ نے تب کہا اے نیک ذات — تم بُرا مانو نہ گر تو میں کہوں گا ایک بات
اُس سے ملنے کی نہیں امید کچھ اے خُوش صفات — اس سے خالی ہو چکا ہے یہ جہانِ بے ثبات

دس برس گزرے نہیں آیا نظر اس کا جہاز
اب کہاں وہ اس جہاں میں اور کدھر اس کا جہاز

تم یقیں جانو کہ ڈوبا وہ وگرنہ میری جاں — ساتھ والوں میں پلٹ کر کوئی تو آتا یہاں
میں نے چاہا لاکھ مل جائے کہیں اس کا نشاں — پر نہ کچھ اس کا پتہ ہے اور نہ ملنے کا گماں

زندگی برباد کیوں کرتی ہو اس کے واسطے
جو نہ دنیا میں ہو کیوں مرتی ہو اس کے واسطے

غرقِ دریائے تفکر ہو کے بولی وہ حسیں — میں تو ناواقف تھی اب تک اس سے تم جانو یقیں
لوگ اُمیدیں دلاتے تھے کہ تسکیں ہو کہیں — میرا جینا تھا اسی اُمید پر اے ہم نشیں

زندگی دو بھر ہے اب تو اے خدا آجائے موت
زندگی ہو جائے مجھ کم بخت کی گر آئے موت

کس طرح تنہائی میں ہوگی خداوندا بسر — کون ہمدردی کرے گا آہ میری عمر بھر
مضطرب ہو کر فلپ نے رکھ دیا قدموں پہ سر — اے مری پیاری ہراساں ہوتی ہے کیوں اس قدر

شکرِ خالق کا کہ مال و دولت و زر پاس ہے
مجھ کو اپنی جان سے تم سب کا بڑھ کر پاس ہے

دولت دو فرزند دختر بھی خدا نے کی عطا　　دونوں ہیں بچے تمہارے میرے ہی اے دلربا
جانتے ہیں مجھ کو اپنا ہی پدر یہ مہ لقا　　باپ کہتے ہیں مجھے اور میں بھی ان پر ہوں فدا
ہر طرح امداد کرنے کے لئے تیار ہوں
تم نہیں منظور کرتیں اس لئے ناچار ہوں

خوف تم کو بھی ہے اور مجھ کو بھی اس کا ہے خیال　　بدگمانی دوسروں کو ہو تو ہے مشکل کمال
پر تمہارے ہاتھ میں تدبیر ہے اے خوش جمال　　وعدۂ طفلی کرو پورا نہیں کچھ بھی محال
تم دلہن بن جاؤ میری تم پہ میں قربان ہوں
مبتلائے عشق بچپن ہی سے میں اے جاں ہوں

میں نے شادی کی نہ اس امید پر اے مہ لقا　　تو میری ہو کر رہے گی ایک دن اے دلربا
میرے دعوے کا بت طناز شاہد ہے خدا　　تیری ہی الفت میں گزرے رات دن صبح و مسا
کہہ نہیں سکتا محبت کیسی میرے دل میں ہے
ہاں یہ کہہ سکتا ہوں اب خنجر کف قاتل میں ہے

نازنیں کے ہاتھ دونوں ہاتھ میں آنکھیں پُرآب　　تک رہا تھا اس کے چہرے کو بحال اضطراب
تھا کبھی یہ خوف کیا دیتی ہے وہ اس کا جواب　　اور اچھلتا تھا کبھی ہاتھوں دل خانہ خراب
لب تک اپنے حرف مطلب یوں کبھی لایا نہ تھا
زندگی بھر ایسا موقع ہاتھ ہی آیا نہ تھا

سرنگوں ہو کر کہا اس نے کہ اے عالی گہر　　منتظر اس کی رہوں گی اور بھی میں سال بھر
سال بھر، بولا فلپ کچھ ہو گئی اے خوش سیر　　سُن کے یہ پھر اس نے کھینچی ایک آہ پُر اثر

اور کہا میں بندۂ احساں تمہاری ہوں ضرور
اور مناسب ہے تمہاری بات بھی مانوں ضرور

رحمتِ حق کے فرشتے آپ ہیں میرے لئے ۔۔۔ میں نہ بھولوں گی جو احساں آپ نے مجھ پر کئے
میرے بچے آپ کے لطف و عنایت سے جئے ۔۔۔ اس سے واقف ہو بطور تب آپ کو حق نے دیئے

حق تعالیٰ دے جزائے خیر اس کی آپ کو
واہ ری شفقت کہ بچے بھول جائیں باپ کو

پر ذرا سوچو تو اپنے دل میں تم اے مہرباں ۔۔۔ ایک دل تھا دے چکی یک شخص کو بہ نیم جاں
دوسرا دل بھی میرے پہلو میں کیا ہوگا نہاں ۔۔۔ ہاں مری اُلفت کا تم کرتے ہو شاید امتحاں

بھول جاؤں میں اسے یہ دل نشیں ہوگا تمہیں
میری اُلفت کا بھلا کیوں کر یقیں ہوگا تمہیں

آب دیدہ ہو کے تب بولا فلپ عالی تبار ۔۔۔ جیتے جی چھوڑوں اسے منشا نہیں یہ زینہار
ایک جُگ ہونے کو آیا وہ نہ پلٹا اے فگار ۔۔۔ تم بھلا کب تک کروگی اور اس کا انتظار

قید زلفوں میں تری میرا دل رنجور ہے
اور بھی ایک سال دیکھو راہ گر منظور ہے

عمر گزری ہے تری اُمید میں اے مہ لقا ۔۔۔ ہوگیا مایوس تو بچنا نہیں ممکن مرا
دے چکا ہوں دل تجھے بچپن سے میں اے دلربا ۔۔۔ مان لے اس کو کہ میں ہوں قیدی زُلفِ دوتا

غم سے چھٹکارا نہیں گر تو نہ پہنچے داد کو
کاٹ لوں گا اور بھی اک سال کی میعاد کو

یک بیک پھر چونک کر یوں ماہ پیکر نے کہا
شام ہوتی ہے چلو گھر وقت ہے اب جھٹ پٹا

سال بھر میں غور کر لوں گی تمہارا مدعا
دونوں بچوں کو بلایا آئے دونوں مہ لقا

چھوڑ کر اپنی کو اس کے گھر فلپ رخصت ہوا
ساتھ بچوں کو لیا اور محو کیفیت ہوا

جب کہ موسم پر کٹا موسم فلپ آیا وہاں
اور دلایا یاد اس کو عہد تھا جو درمیاں

ہو گیا کیا سال جب پوچھا فلپ بولا کہ ہاں
فصل یہ کٹ جائے تو کچھ شک نہیں اے جانِ جاں

کر دیا آسان اس مشکل کو تیری چاہ نے
اک مہینہ بعد پھر آنا کہا اس ماہ نے

چھ مہینے اور ٹالے اس طرح اس حور نے
کچھ خبر آ کر نہ دی اس کو قریب و دور نے

ہو گئی یاس اور کہا دل سے یہ اس مجبور نے
سختیاں میرے لئے جھیلیں فلپ رنجور نے

عہد کا ایفا بھی ہو کچھ تو مروت چاہیئے
بچپنے سے ہے وہ شیدا پاس الفت چاہیئے

لے کے بائبل ہاتھ میں اک شب بصد رنج و محن
اور بصد الحاح و زاری یوں کہا اے ذو المنن

عالم اسرار ہے تو سہل کر دے یہ کٹھن
ہے کہاں شوہر مرا زندہ ہے یا زیر کفن

اپنے بستر پر دعا یہ کرتے کرتے سو گئی
سو گئی یا فکر کی وادی میں جا کر کھو گئی

خواب میں شوہر بلندی پر اسے آیا نظر
گرد میداں دلکشا اور بیچ میں وہ خوش سیر

گا رہا ہے لحن داؤدی میں وہ زیر شجر
محو اپنی دھن میں اور افکار جہاں سے بے خبر

آنکھ جب اس کی کھلی صبح شبِ دیجور تھی
فکر سے خالی تھا دل غم کی گھٹا کافور تھی

ہو گیا اس کو یقین جنت میں ہے وہ شادماں
کیوں نہ اپنے عہد کو پورا کروں میں خستہ جاں
یہ سخن لب پر تھا جو آیا فلیپ بھی ناگہاں
سن لیا اُس نے کہا بیشک ابھی اے مہرباں

دن مبارک آج کا ہے آج ہی یہ کام ہو
محفلِ عشرت کا جلسہ صبح سے تا شام ہو

ہو گئی شادی اسی دن بیاہ کی نوبت بجی
اور دلہن کی طرح سے کوٹھی فلیپ کی تھی سجی
مال و زر اُس نے دیا سائل ہوا جو ملتجی
راست بازوں کی طبیعت میں نہیں دیکھی کجی

صادق الاقرار تھی جو کچھ کہا اُس نے کہا
حق وفاداری سے دونوں کا ادا اُس نے کیا

عیش عشرت سے بسر کرنے لگی وہ مہ جبیں
سال ہی بھر میں دیا فرزند حق نے اک حسیں
دن کبھی اُس کے پھریں گے کس کو آنا تھا یقیں
دل ہی دل میں پر رہا کرتی تھی وہ اندوہ گیں

خود وہ حیراں تھی کلیجہ یوں مسلتا تھا کوئی
چٹکیوں سے بس دلِ نازک کو ملتا تھا کوئی

جا کے تنہائی میں رو آتی تھی اکثر بار بار
ٹالتی تھی گو مگر آتا نہ تھا دل کو قرار
اس کا غم مخفی رہے یہ چاہتی تھی بُردبار
اپنی حالت کی فقط وہ آپ ہی تھی رازدار

دوسروں کو وہ شریکِ رنج و غم کرتی نہ تھی
دل پھنکا کرتا تھا آہِ سرد بھی بھرتی نہ تھی

یاد آیا بعد مدت کے اناک دلِ حزیں — اُس پہ کیا گزری ذرا دیکھو تو چل کر ہم نشیں
کامیابی سے سفر کرتا رہا وہ بالیقیں — وہ ہے اور بے آف بسکے کا تموّج خشمگیں

ڈوب کر آفت کی موجوں سے نکلتا تھا جہاز
کروٹیں لیتا ہوا دریا میں چلتا تھا جہاز

ہو گئی طے کامیابی سے وہ راہِ پُرخطر — وہ تلاطم اور وہ طوفان وہ موجیں وہ بھنور
موت کا وہ خوف ہر دم غرق ہو جانے کا ڈر — جان میں جان آ گئی لنگر ہوا اک شہر پر

اس نے کچھ بیع و شریٰ میں سیم و زر پیدا کیا
مال بھی ہر قسم کا بہر سفر پیدا کیا

زوجہ و اطفال کا بھی تھا اسے دل سے خیال — ان کی خاطر بھی لیا ہر طرح کا پھر اُس نے مال
پھر جہاز آگے بڑھا خوش تھا بہت وہ نیک فال — جا بجا پھرتا جزیروں میں چلا وہ خوش مآل

اُون کے اکثر پرندوں کی تجارت اُس نے کی
لینے دینے میں بہت پیدا مہارت اُس نے کی

موسمِ گرما میں دریا کا سفر کرتا رہا — مال کچھ دیتا رہا اور کچھ نیا بھرتا رہا
خوف سے طوفان کے دل میں سدا ڈرتا رہا — وہ امید و بیم میں جیتا رہا مرتا رہا

گھر کے جانب رُخ کیا تھا پھنس گیا طوفان میں
ہو گئی دولت وہ دریا برد سب اک آن میں

ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آخر کو وہ سارا جہاز — ساتھ دو شخصوں کے ایک تختہ پہ تھا یہ پاکباز
رات بھر بہتا رہا دل سوز و غم سے تھا گداز — صبح تک طے کی اسی صورت سے اک راہ دراز

ایک جزیرہ سے لگا تختہ تو کچھ تسکیں ہوئی
کچھ امیدِ زیست بہرِ خاطرِ غمگیں ہوئی

وہ جزیرہ تھا تو پُر دولت مگر سنسان تھا　　اور سمندر کا سناٹا وہاں ہر آن تھا!
لاکھ ڈھونڈو نام کو بھی تو نہ اک انسان تھا　　آبِ شیریں کی تھیں نہریں حق کا یہ احسان تھا

خوانِ نعمت سے زیادہ پُرثمر اشجار تھے
آبیاری کے لئے ہر سو رواں انہار تھے

تاڑ کے پتوں سے تینوں نے بنائی جھونپڑی　　سر چھپا لیتے تھے جس دم دھوپ پڑتی تھی کڑی
پیٹ بھرنے کو تھے پھل یا تھی کبھی بوٹی جڑی　　دونوں ساتھی چل بسے جب تو ہوئی آفت بڑی

رہ گیا وہ بے وطن دربیادِ یارانِ وطن
پھرتی تھی آنکھوں میں اس کے رات دن شانِ وطن

مختلف الوان کے واں اڑتے پھرتے تھے پرند　　مختلف اشکال کے ہر سمت پھرتے تھے پرند
ہو کا عالم تھا درندے بھی وہاں تھے پر گزند　　اور انھیں میں کاٹتا تھا رات دن وہ ہوشمند

دن مہینہ سال گرمی اور جاڑا کٹ گیا
تھا قوی ہیکل مگر تھوڑے دنوں میں لُٹ گیا

وہ لبِ ساحل سدا تھا رنج و غم سے ہمکنار　　بختِ خفتہ جاگ اٹھے شاید یہی تھا انتظار
شاید آ نکلے جہاز اس سمت دل کو ہو قرار　　بے بسی کی موت سے بچ جائے اور ہو بے قرار

شومئ تقدیر سے ہر چند اس کو یاس تھی
پھر بھی کچھ امید تھی امید سے کچھ آس تھی

اک کنارے پر یہ تھا اور ایک پر وہ سیمبر　　تھا جو مابین ان جزائر کے سمندر پُر خطر
دونوں جانب چشمِ عبرت سے وہ کرتا تھا نظر　　اک نگہ عاشق پہ تھی اور اک نگہ معشوق پر
منتظر یہ بھی تھا اور وہ بھی جہاز آنے کی تھی
گو کہ یہ تدبیر ساری دل کے بہلانے کی تھی

اس طرح پر جب گزرتا ہی گیا ہر ایک سال　　ہو گیا وحشی صفت آخر انا اک خوش خصال
لب پہ تھی آہ و فغاں دل میں غمِ اہل و عیال　　رنج و غم کی شدتیں کرتی نہیں اس کو پائمال
دیدۂ تر خشک تھے اتنا رُلایا تھا اُسے
شغل بیکاری نے دیوانہ بنایا تھا اُسے

سبز پتے کھاتے کھاتے سبز رنگت ہو گئی　　آدمیت سے گیا گزرا یہ صورت ہو گئی
ستر پوشی کو نہ کپڑا تھا یہ حالت ہو گئی　　وحشیوں میں رہتے رہتے اس کو وحشت ہو گئی
یاد جب اہلِ وطن کی یا وطن کی آ گئی
خوابِ غفلت سے ذرا آ کر اُسے چونکا گئی

بعد بارہ سال کے ایک دن بصد عجز و نیاز　　گڑگڑا کر وہ دُعا کرنے لگا بعد نماز
ہو گئی مقبول وہ دیکھو تو شانِ کارساز　　آبِ شیریں کے تفحص میں وہاں تھا اک جہاز
دور بیں کپتان کی اُمید بر لانے لگی
جب کہ چوٹی ان پہاڑوں کی نظر آنے لگی

دور بیں سے اس نے دیکھا گر رہی ہے آبشار　　صاف اور شفاف موتی سادہ آب خوشگوار
دامنِ کوہسار میں سرسبز جس سے مرغزار　　عندلیبوں کے لئے گلہائے رنگیں بے شمار

خوش ہوا یہ دیکھ کر کپتان پلٹایا جہاز
چاہ میں پانی کی فوراً اس طرف لایا جہاز
بیٹھ کر کشتی میں اُترا ایک خلّاصی وہاں
تاکہ بھر لے اپنے مشکیزوں میں وہ آبِ رواں
جب کہ ساحل سے جزیرہ میں چلا وہ ناگہاں
آگیا اس کو نظر وہ نیم وحشی نیم جاں
لمبی داڑھی بال سر کے تا کمر آئے ہوئے
رنگ بھورا زرد ناخن ہونٹ مرجھائے ہوئے
سر سے پا تک ایک کپڑا بھی نہیں کیسا لباس
دیکھ کر اس کو ذرا وہ اور ہوا بیحد ہراس
شکل سے اس کی نہ سمجھا آدمی وہ بے حواس
اور جو سمجھا بھی تو بن مانس کیا اس کو قیاس
لیکن اس نے اس کو باتیں کر کے حیراں کر دیا
اور اُمیدِ مخلصی نے دل کو شاداں کر دیا
وہ برہنہ تھا تو خلّاصی سے شرمایا کیا
ستر پوشی کے لئے پھر اُس نے کچھ کپڑا دیا
شکر خالق کا کیا اور تھینکس کہہ کر لے لیا
پھر بھرا مشکیزے میں پانی اور دونوں نے پیا
آبِ شیریں لے کے پہنچے سب کو حیرت ہو گئی
اک تماشا ان سبھوں کو اس کی صُورت ہو گئی
رحم کھا کر سب نے اس کے حال پر جب کی نظر
ابتدا سے اُس نے حال اپنا کہا المختصر
سب نے نا محتاج سے بھی کر دیا پھر بہرہ ور
بے کرایہ ساتھ ان سب کے لگا کرنے سفر
ہر کہہ و مہ نے بہر صُورت بہت امداد کی
اپنے امکاں بھر ہر اک نے خاطرِ ناشاد کی

تھا جو دریا میں سکوں اور کچھ ہوا میں اعتدال   تھا سلامت رو جہاز اور بے خطر تھی اس کی چال
یہ مسافر ہر گھڑی تھا غرق دریائے خیال   ہو گیا اُس کو وطن کی دُھن میں وہ رستہ وبال

رات دن بچوں کی اس کے سامنے تصویر تھی
دل کے آئینہ میں اپنی کی سدا تصویر تھی

کہتا تھا بچے بڑے ہو کر ہوئے ہوں گے جواں   اک قرن گزرا نہ ہو گا یاد بھی یہ نیم جاں
میری اپنی تو نہ بھولی ہو گی مجھ کو بے گماں   روز و شب فرقت میں کرتی ہو گی وہ آہ و فغاں

بدگمانی اس کی جانب ہو تو یہ بیکار ہے
زندگی کا پر مری اس کو یقیں دشوار ہے

گاہ کہتا تھا کہ زندہ بھی وہ ہوں گے اے خدا   پاس دولت تھی نہ ثروت کیا ہوا ہو گا بھلا
کس طرح جینا ہے ممکن کچھ سہارا ہی نہ تھا   دستگیری کون کرتا ان کی اور لطف و عطا

کون ہو ہمدرد ناداری کا گر آزاد ہو
کون اس کا چارہ گر ہو جو سدا بیمار ہو

چل بسے ہوں گے جہاں سے میرے سب اہل و عیال   اب کہاں میں اور کہاں وہ خام ہے سارا خیال
ایک تو تھا شیر خوار اور دوسرے تھے خرد سال   پرورش کرتی بھلا کس طرح اپنی خستہ حال

کوئی بھی جس کا خبر گیر و معاون ہی نہیں
آج تک زندہ رہے ہوں وہ یہ ممکن ہی نہیں

پھر یہ کہتا تھا مدد کرتے ہوں گر اہلِ وطن   اور ازوقہ بھی پہنچاتا رہا ہو ذو المنن
کیا عجب زندہ ہوں وہ اب نیک ہو ان کا چلن   اس امید و بیم میں رہتا تھا پہروں غوطہ زن

ساتھیوں کی کچھ تسلّی کارگر ہوتی نہ تھی
جمع ہوتے گرد پر اس کو خبر ہوتی نہ تھی

ساحلِ انگلینڈ پر پہنچا وہ آخر کو جہاز — صبح کا تارہ عیاں تھا اور تھا وقتِ نماز
اس کی ہمدردی ہوئی واں بھی بحکمِ کارساز — لے گئے معتقد بہ رقم رخصت ہوا وہ پاکباز
جس وطن سے ہو چکی تھی یاس اس کو پا گیا
منزلِ مقصود پر اپنی وہ آخر آ گیا

ساتھیوں سے مل کے پھر راہی ہوا وہ نیم جاں — ڈھونڈتا تھا اک مکاں کس کا مکاں اپنا مکاں
آ کے دیکھا اس محلّہ میں عجب اس نے سماں — گھر جہاں تھا ڈھیر مٹی کا نظر آیا وہاں
ہو گئی تھی شام جا بیٹھا وہ اس انبار پر
پھٹ پڑا تھا آسماں اس بیکس و ناچار پر

یہ وہی جا تھی جہاں گزرے تھے اس کے تیس سال — غم جدائی کا نہ تھا ہر وقت رہتا تھا خیال
دل بہلنے کو دیئے تھے حق نے بچے خوش جمال — کٹتی تھی پُر لطف اس کی زندگی خوش تھا کمال
بچے بالے کھیلتے رہتے تھے گھر آباد تھا
سیمبر پہلو میں بی بی تھی ہمیشہ شاد تھا

یہ وہی جا ہے کہ سناٹا ہے اور سنسان ہے — تھی نہ آبادی کبھی اس طرح سے ویران ہے
اب نہ بی بی ہے نہ بچے ہیں بہت حیران ہے — رنج و غم کا سامنا اور ایک اس کی جان ہے
ایک چشمہ تھا وہیں ایک دوست رہتا تھا جہاں
دل میں سوچا جا کے پوچھوں تو کہ اب وہ ہے کہاں

واں گیا پوچھا ہُوا معلوم وہ تو چل بسا　　مریم اس کی زوجہ تھی موجود اُسی سے یہ ملا
وہ بھی اُس کو جانتی تھی یہ بھی اُس کو جانتا　　اُس کی حالت دیکھ کر اس نے نہ پہچانا ذرا
بال تھے اس کے سپید اور خم کمر میں آگیا
ہو گیا تھا زرد چہرہ غم سے تھا کمھلا گیا
مصلحت سے اُس نے بھی اس سے نہ مطلق کچھ کہا　　اجنبی کی طرح سے دو تین دن مہماں رہا
باتوں باتوں میں ہوا دریافت سب اور غم سہا　　اُس کے گھر کا حال وہ کہنے لگی آنسو بہا
اُس کے بچوں پر فلپ کی دل نوازی بھی کہی
اور اپنی کی سب اُس نے پاک بازی بھی کہی
اپنے شوہر کے لئے اس کا وہ ہونا بے قرار　　اس کا وہ برسوں تڑپنا اور اس کا انتظار
وہ غمِ فرقت میں رہنا خستہ حال و سوگوار　　چھوٹے بچے کا وہ مرنا اور رونا زار زار
عقد کا پیغام دینا وہ فلپ کا کہہ دیا
چپکے سے شادی کا پھر دونوں کے ہونا کہہ دیا
سُن کے یہ ساری کہانی ہو گیا مبہوت سا　　سلب قوت ہو گئی پیغام آیا موت کا
دل میں آیا دیکھ لوں میں اک نظر چل کر ذرا　　راز سر بستہ رکھوں گا اپنا سارا ماجرا
ٹھان کر یہ وہ فلپ کے گھر روانہ ہو گیا
پہلے کیا سامان تھا اب کیا زمانہ ہو گیا
متصل تھا اک درخت اُس پر چڑھا یہ خستہ جاں　　بیٹھا پوشیدہ وہاں پتوں پہ سر تا پا نہاں
اُس کی اپنی ہو چکی تھی اور ایک بچے کی ماں　　گود میں اُس کو لئے کرسی پہ تھی جلوہ کناں

دیکھا بچے کو کیا پیار اس بُتِ مغرور نے
پیار کر کے دیدیا اک نرس کو اُس حور نے

اپنے بچوں پر بھی ناگہ پڑگئی اسکی نظر
اس کی دختر ماں کی صورت تھی بعینہ سر بسر
یاد آیا بس شباب اینی کا اس کو دیکھ کر
تھی وہ اک تصویر اینی کی جوانی کی مگر

دیکھا پھر فرزند کو خوش رو ہے خوش تقریر ہے
لوگ کہتے تھے اناک آرڈن کی یہ تصویر ہے

آیا اتنے میں فلپ بیٹھا وہ اینی کے قریں
پیار اور اخلاص کی کرتی تھی باتیں مہ جبیں
گرم جوشی سے دبایا اس نے دستِ نازنیں
باغ میں ٹہلا کیے پھر اُٹھ کے دونوں ہمنشیں

دیکھ کر یہ رنگ بس غیرت سے وہ کٹنے لگا
آگیا منہ کو کلیجہ غم سے دل پھٹنے لگا

حزن و غم سے پھر کہا اس نے کہ اے میرے خدا
کیوں یہاں آنے کی میں نے تجھ سے کی تھی التجا
اس جزیرہ ہی میں مرجاتا اگر تو خوب تھا
اس غم و رنج و الم میں خود ہوا میں مبتلا

تھا وہاں مجھ کو بہت کم اپنی حالت کا الم
اُن کی تنہائی کا غم تھا ان کی فرقت کا الم

اب وہاں پہنچا دے مجھ کو جلد میرے کبریا
موت کو یا بھیج دے یہ سب سے بہتر ہے دوا
زندگی کا لطف اس دنیا میں کیا مجھ کو رہا
پاس اپنے ہی بلا لے جلد مجھ کو اے خدا

یک بیک وہ خوش ہوا گویا کہ اچھا ہو گیا
تین دن زندہ رہے گا دل کو القا ہو گیا

پھر وہ مریم پاس آیا اور کہا اے مہرباں
راز سربستہ میں اک وعدہ پہ کرتا ہوں عیاں
میرے جیتے جی نہ کرنا تم کسی سے کچھ بیاں
شوق سے کہنا نہ ہو دُنیا میں جب یہ نیم جاں

التجا جب کی تو اس سے عہد و پیماں ہو گیا
کہہ دیا پھر حالِ ظاہر رازِ پنہاں ہو گیا

اس نے حیرت سے کہا مجھ کو نہیں آتا یقیں
کس طرح باور کروں تم ہو وہ ناکِ دلِ حزیں
وہ ضعیف العمر تم سا ہو سکے ممکن نہیں
بال سب سر کے سپید اور خم کمر میں ہمنشیں

وہ قوی ہیکل ضعیف و ناتواں ہرگز نہ تھا
اس طرح بڈھا ہو وہ ایسا جواں ہرگز نہ تھا

رو کے وہ بولا کیا اس کا نہ کچھ تم نے خیال
کیا مصیبت مجھ پہ گزری کیوں ہوا میرا یہ حال
میں وہی ہوں آہ اے مریم بربِّ ذو الجلال
کچھ ضروری بات کہنی ہے سُوجی ہے نڈھال

رو کے بولی پاس بچوں کے تمہارے جاؤں میں
تم اجازت دو ابھی جا کر انھیں لے آؤں میں

یاد رکھو تم قسم کو آہ اے مریم یہ کیا
بعد مر جانے کے میرے گر کہو تو ہے بجا
ایک لٹ بالوں کی سینہ سے نکالی اور کہا
تم دکھانا اس کو اپنی کو یہ کہنا اک ذرا

ہر مصیبت میں تمہاری یہ نشانی ساتھ تھی
آفتیں تھیں جان پر لیکن یہ جاں کے ساتھ تھی

یہ نشانی دیکھ کر ہو جائے گا سب پر عیاں
میری اُلفت ہے وہی اور ہوں وہی میں نیم جاں
اس کو دینا پھر مری بیٹی کو تم اے مہرباں
سب سے بہتر ہے زمانہ میں محبت کے نشاں

میری بیٹی قبر میں رکھ دے گی اپنے ہاتھ سے
حشر تک پھر یہ جدا ہو گی نہ میرے ساتھ سے

تیسری شب مر گیا آخر اناک دل حزیں — جا کے مریم نے کیا اعلان اس کا ہر کہیں
جب سُنا سب نے یہ قصّہ دلخراش و دل نشیں — لاش پر آئے جگر تھامے ہوئے اندوہ گیں

ختم کر یاور کہانی خانماں برباد کی
دُھوم سے میّت اُٹھی اس عاشق ناشاد کی

(جذباتِ یاور)

ترجمہ: اناک آرڈن از لارڈ ٹینیسن

ہمترجمہ: سازِ مغرب حصہ دوم صفحہ ۲۲۱ پر دیکھئے۔

عیسیٰ چرن صدا

فردوسِ گُم شُدہ

گئی تھی جُدا ہو بوقتِ سحر
اُسی راہ پر اب وہ آئی نظر

تھی اُس وقت کچھ دُور اس پیڑ سے
چلی آتی تھی وہ پھلوں کو لئے

نہایت تھی خوش اس زماں ماہ رو
تھے پھل خُوشنما اور تھے مشک بو

لُبھاتے تھے ہر دیکھنے والے کو
بڑھے بھوک اس کی جو آسودہ ہو

بڑے پیار سے اس کا بوسہ لیا
اسے قتل تیغ نگہ سے کیا

وہ بعد اس کے یوں عُذر کرنے لگی
بہ شیریں زبانی یہ تقریر کی

ہوئی خوش تجھے دیکھ کر جانِ من !
کہ تھا ہجر میں تیرے رنج و محن

نہ ہو کاش ! پھر ہجر مجھ کو نصیب
جُدائی کا صدمہ ہے الحق عجیب

سبب دیری کا ہے نہایت عجب
تو سُن غور سے اس کو محبوب اب

جو ہے باغ میں علم کا یہ شجر
نہیں اس کا نقصاں رساں ہے ثمر

نہیں اس کے کھانے میں نقصان کوئی
ہے مفتاحِ "الحق" یہ دانائی کی

ہے واقعی میں اس میں الٰہی اثر
کرے گا ہمیں مثلِ حق پُر ہُنر

اسے کھا کے آنکھیں بھی کھل جائیں گی — سمجھ میں ادق باتیں بھی آئیں گی
اثر کھا کے یہ ہے نمایاں ہوا — یہاں سانپ نے کھا لیا جب کہ تھا
نہ ڈر ہو نہ فرماں بری اُس نے کی — سزا موت کی پہ نہ اُس کو ملی
تکلّم وہ انساں سا کرنے لگا — وہ فہمیدہ سے بہرور ہو گیا
وہ کرنے لگا مثلِ انساں دلیل — بنا گویا انسان بے قال و قیل
کیا اس کے کھانے پہ راغب مجھے — یہاں تک کہ میں نے ہے کھایا اُسے
مری آنکھیں دھندلی تھیں روشن ہوئیں — بڑھیں رُوح کی قوتیں بالیقیں
فراخی مرے دل کو حاصل ہوئی — مثالِ خدا ان میں کامل ہوئی
نہ مقبول بن تیرے یہ سب مجھے — کہ کرتی ہوں میں پیار از حد تجھے
جو نعمت ملے ساتھ تیرے ملے — نہیں ہو گی بن تیرے راحت مجھے
مری زندگی مجھ کو ہو گی وبال — جُدائی کرے گی مجھے تنگ حال
مرے مثل بن جا تو کھا لے اُسے — ہوں سب فائدے تاکہ حاصل تجھے
خوشی تجھ کو ہو اور ہو برتری — مرے مثل ہو جائے حالت تری
مبادا اگر تو نہ کھائے اُسے — نہ میری سی حالت کو حاصل تجھے
تفاوت ہو حالت میں ہم ہوں جدا — تو انساں رہے میں ہوں مثلِ خدا
میں تیری طرح پھر نہ بن سکوں — اور افسوس تجھ سے جُدا میں رہوں
کیا ہو کے خوش اس نے بیاں ماجرا — تھا چہرہ پہ اظہار بے چینی کا
یہ سُن کر پریشان آدم ہوا — تعجّب سے وہ دم بخود ہو گیا

ہوا رنگ چہرہ کا فق یک بیک / لرزنے لگا سر سے لے پاؤں تک
ہوئے جوڑ ڈھیلے ہوا بدحواس / ہوا جلد وہ صیدِ حرمان و یاس
ہوا اس کے دل کو نہایت قلق / کلیجہ ہوا صدمہ سے اس کا شق
گرے گجرے اور ہار اور بدھیاں / گرے پھول کمھلا کے یک دم وہاں
ہوئے ہوش کچھ بعد کو جب بجا / وہ اس طرح سے دل میں کہنے لگا
غضب کیا کیا تو نے اے نازنین / مری پیاری اے گلبدن مہ جبیں؟
تھی مخلوق میں تو ہی افضل ترین / کوئی خوبصورت تھا تجھ سا نہیں
تھی پاکیزہ دل، تجھ میں تھا ہر کمال / تُو تھی واقعی صورتِ ذُوالجلال
تو شیریں و محبوبہ و نیک تھی / ہر اک وصف میں فرد تھی ایک تھی
مگر ہائے کس طرح تُو گر گئی! / تو حالت پہ اپنی نہ قائم رہی
وہ صورت الٰہی بگڑ اب گئی / نہ رعنائی اور خوشنمائی رہی
بس اب موت ہے حصۂ آخری / تباہی و بربادی سب کچھ ہوئی
کیا ہائے کیسے یہ حق کا گناہ / کیا ہائے اپنے کو تُو نے تباہ!
کیا کچھ نہ حکمِ خدا کا خیال / نہ کچھ موت کا اور سزا کا خیال
کسی لعنتی نے دی تجھ کو دغا / نہ معلوم وہ لعنتی کون تھا؟
بھلا کیوں میں حکمِ خدا توڑ دوں / میں کس واسطے پھل کی خاطر مروں؟
ضرر لائے گا یہ ثمر بے گماں / اثر گر نہیں ہے تو ہوگا عیاں
نہ کھانے سے اس کے میں ہوں شرمسار / خطاکار ہوں پیشِ پروردگار

کرم جس کے ہیں مجھ پہ حد سے زیاد
جو بر لاتا ہے روز میری مُراد

وہ خالق ہے میرا مرا باپ ہے
ملی اس سے ہے مجھ کو ہر ایک شے

ہر اک شَے پہ مجھ کو دیا اختیار
بنایا ہے مجھ کو شہِ باوقار

جو کیں نعمتیں مجھ کو حق نے عطا
کروں میں شمار ان کا اِمکان کیا

بڑا حکم کوئی نہ مجھ کو دیا
فقط منع اس پھل کا کھانا کیا

ترے ساتھ برباد میں بھی ہوا
ہیں ہم ایک، ہوں کیسے تجھ سے جُدا

ہُوئے تیرے کیسے بسر زندگی؟
ہے بن تیرے مجھ کو نہ راحت کوئی

مجھے ساتھ تیرے ہے مرنا قبول
خیالِ جدائی سے خاطر ملول

ہے ویرانہ تجھ بن یہ فردوس بھی
نہ ہو کاش! مجھ سے جُدا تو کبھی

نہ ہو تو کروں ہائے کس کو میں پیار
کروں باتیں کس سے میں اے گلعذار؟

اگر میری پسلی سے یارِ دگر
کرے خلق پھر زن کو خالق اگر

نہیں ہو گی اس سے بھی راحت مجھے
نہیں ہو گی اس بُت کی چاہت مجھے

نہیں جائے گا دل سے تیرا خیال
مری زندگی ہو گی جاں کا وبال

نہیں جانتا ہوں کہ میں کیا کروں
تجھے چھوڑ دوں حق کو راضی رکھوں

کشش تیری جانب کو ہے قدرتی
تو ہے گوشت اور ہڈی اور جاں مری

ہے تیری طرف اب محبت کا جوش
کہ ہے تو ہی غارت کنِ عقل و ہوش

کروں اب تو یکطرفہ اپنے خیال
اُدھر ہم ملیں تا نہ میرے خیال

خوشی ہو، ہو یا ہم کو رنج و الم
نہ اک دوسرے سے جُدا ہوں گے ہم"

یہ کہہ کر اُسے کچھ تسلّی ہوئی
مگر یہ تھی تسکیں فقط یاس کی
وہ سمجھا کہ کیا رنج سے فائدہ
علاج اس کا کیا ہے جو کچھ ہو گیا
بس اب دل ہر طرح اپنے سنبھال
لگا کہنے اس سے کہ اے پُر جمال
کیا بے دھڑک ہو کے یہ کام اب
مُبادا نہ نازل ہو ہم پر غضب
نہ ہمت تھی اس پر کروں میں نگاہ
کرے اس کی خواہش نہ مجھ کو تباہ
جو کچھ ہو گیا اب بُرا یا بھلا
نہیں اس میں امکان تبدیلی کا
خدا بھی نہ اس کو بدل سکتا ہے
نہ قسمت سے کچھ کام چل سکتا ہے
ہے ممکن کہ تجھ کو نہیں موت آئے
خطا یہ مصیبت نہیں ہم پہ لائے
ہوا سانپ سے پہلے ناپاک کام
وہ پھل کھایا جس کا تھا کھانا حرام
دیا توڑ بندش کو اس نے ضرور
ہمارے ہے کھانے میں پھر کیا قصور
اسے کھا کے ہرگز نہیں وہ موا
وہ زندہ رہا اور انساں بنا
اسی سے تجھے اشتعالک ہوئی
کہ اس میں تکلّم تھا اور زیرکی
ہے ممکن کہ اس طرح ہم بھی بڑھیں
ملک یا خدا کی طرح ہم بنیں
سمجھتا نہیں میں کہ اللہ پاک
جو خالق ہے ہم کو کرے گا ہلاک
کیا خلق اشرف ہے جس نے ہمیں
رکھا ہے ہمیں یاں پہ فردوس میں
ہمارے لئے خلق سب کچھ کیا
ہمیں اختیار اس نے ان پر دیا
ہمارے ہے ساتھ ان کی بربادی بھی
نہیں ہم ہوں سب چیزیں کس کام کی؟
کرے ہم کو اور اسبھی کو برباد وہ
تو کیا ہوگا اس سے کبھی شاد وہ

کریگا وہ کیا ہست سے نیست اب — کرے گا وہ برباد نابود سب
نہیں حق کی نسبت یہ مجھ کو خیال — کہ یوں لائے خلقت پہ جلدی زوال
ہے واقعی میں وہ تو خدائے قدیر — ہے قدرت میں اپنے وہی بے نظیر
کرے خلق دوبارہ قدرت اسے — مگر خوش نہیں ہوگا بربادی سے
خدا دے گا موقع یہ ہرگز نہیں — کبھی ہو کے خوش اس طرح وہ لعین
نہیں اس کی حالت کو ہرگز قیام — کہ جن پر رہی رحمتِ حق مدام
کیا اس نے برباد اول ہمیں — سدا خوش ہے خلقت کی بربادی میں
کیا اس نے انساں کو برباد اب — بہت جلد نازل کیا ہے غضب
غرض کون خوش اس کو کرسکتا ہے — محبت کا دم اس کی بھر سکتا ہے؟
کیا میں نے اب تو یہی فیصلہ — وہی حال میرا ہو جو ہو ترا
کشش تیری جانب محبت کی ہے — یہ جو کچھ ہے تاثیر قدرت کی ہے
ہیں گرچہ دو قالب مگر ایک جاں — جُدائی تری ہے سراسر زیاں
ترے ساتھ ہے موت بھی زندگی — ہے بے تیرے یہ زندگی موت سی
یہ سُن کر کے حوّا نے پاسخ دیا — کہ اُلفت سے تیری ہے دل خوش مرا
رہِ عشق میں تو ہے ثابت قدم — بھروں مثل تیرے محبّت کا دم
محبت کی بے مثل ہے یہ مثال — ہوا اے کاش! تیری طرح میرا حال
مگر مثل تیرے میں کامل نہیں — میں پہلو سے تیرے ہوں گو بالیقیں
میں خوش ہوں تو قائل ہے یکتائی کا — کہ میں جان ہوں تیری۔ اور دل ترا

نہ یوں ہوتا اظہار اُلفت کبھی
نہ میں دیتی دادِ محبّت کبھی

نہیں کھایا ہوتا جو میں نے ثمر
ہے اس پھل کا یہ دیکھ ادنیٰ اثر

کہ ہے موت تک بھی گوارہ تجھے
میں پیاری ہوں جاں سے زیادہ تجھے

اگر موت سے کچھ ہو اور خوفناک
نہیں اس سے بھی تجھ کو ہرگز ہے باک

جُدا وہ نہ ہرگز کرے گی ہمیں،
ہمیں وابستہ اُلفت کی زنجیر میں

خطاکار ہونے پہ راضی ہوا،
کہ تو نے مرا عشق دل میں رکھا

مگر درحقیقت نہ کوئی خطا
نہ جرم ایسا جس کی کہ پائیں سزا

وگر گرنہ ترغیب دیتی کبھی
تو پھل کھائے پائے سزا موت کی

اٹھائی اکیلی میں ہر اک زیاں
میں کھو دیتی کل اپنا امن و اماں

رفاقت سے محروم ہوتی تری
اٹھاتی اکیلی سزا موت کی

نہیں ہونے دیتی میں تیرا زیاں
کہ زائل ہو تیرا یہ امن و اماں

ہے بے مثل واقعی میں اُلفت تری
عجب طرح اب جو کہ ظاہر ہوئی

ہے اس سے نہیں موت۔ پر زندگی
ہے اُمید اس سے۔ اسی سے خوشی

مرے مثل آنکھیں کھُلیں گی تری
ملے گی تجھے ہر طرح برتری

مزہ میں ہے گویا۔ بہشتی ثمر
نہیں ایسا کھایا تھا کوئی ثمر

تو کر برطرف موت کا بھی خیال
اسے کھا لے اے شوہرِ خوش خصال

کیا اب لپٹ کر کے حوّا نے پیار
تھا پیار ایسا جس سے ہو دل بے قرار

وہ فرطِ خوشی سے ہوئی اشکبار
یہی دل میں کہتی تھی وہ بار بار

که کرتا ہے آدم بہت مجھ کو پیار نہیں اس کو پروہ اے پروردگار
کہ کرنے کو ہے میری خاطر گناہ ہے تیار ہو ساتھ میرے تباہ
اسی وقت حوّا نے باصد ادا ادا وہ کہ دل جس سے بِسمل ہوا
عوض اس کی اُلفت کے وہ پھل دیا کہ تھا کام جیسا وہ پھل ویسا تھا
بُرے کام کا پھل بُرا ہے ضرور محبّت جو ہم کو کرے حق سے دُور
ہے حق میں ہمارے وہی دشمنی ہے جھوٹی یہ معشوقی و عاشقی
فریب اس نے کھایا تھا ہرگز نہیں ہوئی آزمائش بُتِ مہ جبیں
محبت نے حوا کی جادو کیا
اِسی وجہ آدم نے پھل کھا لیا

فردوس گم شدہ، جلد نہم ۱۱ر اکتوبر ۱۹۱۴ء
صفحات ۲۹۲ تا ۲۹۸

جان ملٹن

انشاء اللہ خاں انشاؔ

مثنوی فیل

صدقے آنکھوں کے تیرے ساقی — ہے مجھ کو ہوس ابھی تو باقی
ایسی ہی شراب دے دھواں دھار — بڑھ جائے یہ جس سے سُکر کا تار
اطراف حبش میں جو بنے ہو — انگور سیاہ کے جنے ہو
تیزی میں سیاہ مرچ سی ہو — جھونک اس کی نکیلی کرچ سی ہو
وہ جس کے بڑے بڑے ہوں جوہر — صدقے جن پر ہوں لعل و گوہر
لایا وہ مہ ضع حورِ طنّاز — جس سے کہ چمن چمن اُگیں ناز
دارو ایسی کہ ہو اولو العزم — جس سے چمک اُٹھے صورت بزم
تو میرے حوالے دخت رز کر — پھر قول کے مجھ سے پخت و پز کر
دے مجھ کو وہ جام صورتِ بدر — ہو رات یہ جس سے لیلۃ القدر
سمجھے جسے نشّہ سرافراز — لیلائے سیاہ خیمۂ ناز
ہو جس میں لپیٹ اژدھا کی — صورت دیوار قہقہا کی
جس سے کٹ جائے زاہدِ خشک — جس میں کہ ملا ہو نافۂ مشک

جس سے سب دال فی ہو وحشت
عنبر کے بھرے ہوں جس میں نکہت

ہو جس سے کہ دور یا وہ دلپوچ
کر جائے سوادِ دل سے غم کوچ

ہو جس سے کہ دل کو اور ہی لوچ
اڑ جائیں دفعتہً یہ سب سوچ

خاطر مستوں کی جس سے ہو جمع
روشن وہ کرے مُراد کی شمع

ظاہر جس سے ہو حُسن کے سوت
جس سوت سے نکلی جاگتی جوت

جس سے چھٹ چاندنی کرے کھیت
چمکی تاروں کی وضع سے ریت

جس میں ہوں معجزاتِ عیسیٰ
غش جس سے ہو راہب کلیسا

یہ چار طرف گھٹا جو چھائے
ہے زُلفِ صنم کی یاد آئے

بادل آئے ہیں عیش کے جھوم
اس وقت نہ رکھ تو مجھ کو محروم

ایسا کر دے مجھے سیہ مست
تا برق کی طرح دل کرے جست

کر ایسے ہی مئے میں یاس کو غرق
جس سے بھڑک اُٹھے شعلۂ برق

جس سے کہ سرور یاد آئے
انشاء اللہ مراد پائے!

ہو وہ نہ تو اور دے بُجھے کچھ
جس میں پیاس تو نہ بجھے کچھ

رُک مت مجھ سے ارے تو رہ وا
گر ہووے نہ مئے تو چھیڑ قھوا

تا میں کہوں ایک تازہ قصہ
ہے یہ تو فقط ترا ہی حصہ

قصہ نہیں ایک باغ ہے یہ
مسرور کُنِ دماغ ہے یہ

مطلق نہیں اس میں کذب کا دخل
ہے صدق سے پُرثمر ہر ایک نخل

اے صاحبِ فہم و عقل صائب
سُن مجھ سے لطیفۂ عجائب

میں تیرے حضور وہ کروں نقل
جس پر کرے وجد دانش و عقل

تھے سترہ سو بیانوے[۱۷۹۲] سال
وہاں عیسوی اے بجاہ و اقبال

انگریزی مہینا تھا دسمبر
جن میں ہوئی بات وہ مقرر

ہیری کے ضلع میں گرفتار
ایک فیل ہوا بڑا نمودار

گویا خرطوم اژدہا ہاتھی
صورتِ دیوار قہقہا ہاتھی

تھا کوہ شکوہ و خوبصورت
بے شبہ و شک گنیش مورت

ہاتھی کا نام تھا بہادر
صدقے اس پر سے بے بہادر

چنچل پیاری تھی مادہ فیل ایک
جس پر ہو جائیں غش بد و نیک

باہم رغبت کو جو ٹٹولا !
تو آ کے مہاوت ایک بولا

چاہت نے مچائی ہے یہاں دھوم
ہوتا ہے مزاج سے یہ معلوم

بے گفتۂ شیخِ شہر و مفتی
کھیلیں گے یہ آجکل میں جفتی

دو دل باہم جو ہوویں راضی
پر کیا کریں ان میں آ کے قاضی

باہم ہوتے ہی بوسہ بازی
کیوں دل کی کلی نہ ہوئے تازی

صحبت آپس میں ہے بہت گرم
باقی نہ حجاب ہے نہ کچھ شرم

ہتنی کا ایک پاؤں اگلا
تھا باندھ مہاوتوں نے رکھا

چھوٹا پھرتا تھا یونہی ہاتھی
مست رہتی تھی اس کی ساتھی

گو تھا پلہ کچھ بندھا نہیں تھا
جاتا وہ کہاں کہ دل وہیں تھا

ٹپکا پڑتا تھا اس طرح سے
ساون کی گھٹا ہو جس طرح سے

باس اس کی مدام سونگھتا تھا
مارے مستی کے رونگتا تھا

خرطوم سے لے کے گُل کے شبنم
ملتا تھا منہ سے اپنے ہر دم

از بسکہ وہ فیل صدمہ کش تھا
چنچل پیاری کی بو پہ غش تھا

جو لوگ تھے گرد و پیش کے کل
دانستہ وہ کر رہے تغافل

پھر سترہ سو ترانوے [۱۷۹۳] تھے
بست و ہشتم وہ جون کے تھے

تاریخ۔ کہ بڑھ گیا بہادر
بے خوف و تردّد و تفکّر

خواہش کا دغدغہ جو بیٹھا
چنچل پیاری پہ آن بیٹھا

حملے ہوئے چند بار ایسے
ٹکراتے ہوں دو پہاڑ جیسے

ہر چند نہ بھولی گل کی کیاری
دریا کی طرح عرق تھا جاری

پھر وقتِ صبح اس کے من بعد
گرجا وہ فیل جس طرح رعد

بھر آیا گلوں کے منہ میں پانی
پھر بات ہوئی وہ بارِ ثانی

لکھتے ہیں جان کارسس ایسا
انشا نے کیا یہ نظم جیسا

لی ان کی خوشی نے جب کہ کروٹ
آیا میں فیل خانہ میں جھٹ

کیا دخل زیادہ جو کہوں میں
شائد لیئنٹ کر گروں میں

دو گھنٹے بجے تھے دوپہر پر
پھر بات ہوئی یہ جب مکرر

چھوڑا ہاتھی کو اپنے آگے
ہتنی کے نصیب سوتے جاگے

دونوں میں رہا مساس تا دیر
کہتے ہیں لوگ جس کو بہت پھیر

ہاتھی بھی سونڈ ڈالتا تھا
ہتنی کی وہ شے سنبھالتا تھا

ملتا تھا وہ فیل واہ وا جی
خرطوم سے جائے شرم اس کی

ہتنی بھی بشان کسبی اس دم
تھی مارے مزے کے شاد و خرّم

خرطوم سے عضو تولتی تھی!
کیا جانیے کیا ٹٹولتی تھی!

بھاری تھا خوب بیٹھے گدّا
کہتی تھی لے کے پر و کدّا

کیا میں کہوں اور اس کی حالت
ہر طرح اُٹھاتی تھی ملالت

ہتنی پہ سوار یوں ہوا فیل
جس طرح کسی کو کوئی دے کیل

گردن میں ڈال اپنے خرطوم
ہاتھی نے مچائی اس گھڑی دھوم

اگلے پاؤں کو پیٹ پر دھر
پھل اپنا کھلا دیا سراسر

ہتنی نے دونوں پاؤں اگلے
چھدرا رکھے تھے وہاں مزے سے

ہاتھی ہتنی سے ہو گیا جفت
دیکھی یہ سیر خلق نے مفت

اس وضع کو دیکھ سب رہے تھے
شانے ہتنی کے دب رہے تھے

نقشہ اس کا جو فارسی ہے
گویا شفّاف آرسی ہے

بیان متحیّر شدن جانوران

اس کام کا پڑ گیا جو سایہ
سب جانوروں نے غل مچایا
تھے جتنے کہ ارنے اور گینڈے
اکھڑ پر اپنے اپنے اینڈے
اُٹھی دل سے پہاڑ کے ہوک
صحرا صحرا میں پڑ گئے لوک
جنگل میں مچ گیا جو منگل
واں گونج گیا تمام جنگل
کہتی کوئل بُرا بھلا تھی
تھراتی مڑی میں کوکلا تھی
تھا طعنہ زن اس صدا سے تیتر
ہے یہ بھی نگوڑی کتنی ابتر
دیکھی یہ غرض کہ جس گھڑی سیر
بولا بولی میں اپنی ہر طیر
اچھلا سیمرغ بھی ہوا پر
بالیدگی آگئی ہُما پر
ناچے یہاں ریچھ اُدھر مور
کیا خوب یہ سیر کچھ ہوئی زور
نل جیسے کہ ہوئے نل کے اندر
نکلی یوں فوج فوج بندر
باہم سمٹ آئے لاکھوں لنگور
جیسے قطّے میں کالے انگور
لپٹے جو بہم تو پھر نہ چھوٹے
بارہ سنگھوں کے سینگ ٹوٹے
کرنے لگے کبک سارے قہ قہ
چہ چہ ہوئی اور خوب پہ پہ
شیروں نے بھی خوب ڈنڈ پیلے
ہونے لگے یک دیگر میں ریلے
پی آبِ حیات عیش کے گھونٹ
یک بارگی ناچنے لگے اونٹ
بے ساختہ مچ گیا جو ہُلڑ
چلا اُٹھے تمام گیدڑ

ناندی ہوا اُچھل اُچھل کے ارنے   سانسیں لگے اُلٹی اُلٹی بھرنے
ناچے سب ریچھ خوب سنگیت   گانے لگی لومڑی ہر ایک گیت
قمری کر سرو کی خوشامد   بولے کہ چہ خوش چرا نہ باشد
بس خورد و بزرگ ہو گئے مست   اس بات سے گرگ ہو گئے مست
آئی یہ ٹھٹھے کی آندھی   چھت جانوروں نے آکے باندھی
کیڑے جتنے تھے کلبلائے   چوہے بھی بلوں سے باہر آئے
آپس میں گتھ گئے. بولے   بادل نے ہاتھی اپنے بھولے
راجہ اِندر کا وہ اکھاڑہ   پریوں نے کود پھاند اجاڑا
غولوں کی جڑ رہی نہ ہاتھ جو گوں   جنگل میں لگادی آن کر دوں
خوش ہو گئی رُوح رستم و گیو   بولے جنّات. بم مہا دیو
پریوں نے پہن پہن کے زیور   آپس میں بہت لڑائے تیور
تھے یار جو اپنی اپنی گوں کے   چیتے پھاڑھے ہرن سو چونکے
رگڑیں بہتوں نے ایڑیاں واں   ٹوٹیں لاکھوں کی بیڑیاں واں
ایسا ہے ہوا مزہ کا رولا   جس سے گئی عقل سب کی بولا
دریا کے منھ پہ آگیا کف   باندھی مرغابیوں نے ایک صف
اس وضع سے سب نہنگ نکلے   جیسے کوئی پی کے بھنگ نکلے
تاروں نے یہ بات جوں کی تاڑی   ان میں سے لگی ٹپکنے تاڑی
اس کام کے دھیان میں اُڑیں سب   تھیں جتنی کھجوریں چو پڑیں سب

تھے سوکھے درخت کے جہاں ٹھنڈ
بیٹھے چڑیوں کے جھنڈ کے جھنڈ
لپٹنٹ ہوئی جو سخت گاڑھی
بڑ نے بھی گھسوٹی لبی داڑھی
یوں دیکھ کے ان کو چالاک
سب رہ گئے رینڈ رینڈ کر تاک
دریا کے جو گرد کی تھی ریتی
سب بن گئی زعفران کی کھیتی
ڈالیں پیپل کی جھک رہیں کل
پھوٹیں ان میں سے شاخِ سنبل
جنگل کو یہ کام جو خوش آیا
جھاڑوں پر عشق پیچاں چھایا
لی بادِ بہار نے جب پھریری
سانس اک بھری صبا نے گہری
مارا بلبل نے آکے جو پر
ایک اوس سی پڑ گئی گلوں پر
جب تھم نہ سکی ہنسی وہ مطلق
سینے ہوئے ہر انار کے شق
نیلا سوسن کا ہو گیا رنگ
تبدیل چمن کا ہو گیا رنگ
آنکھیں نرگس نے موند لیں جھٹ
چہرہ پہ کیا صبا نے گھونگھٹ
انواعِ طیور میں ہوا غل
لپٹی ہر شاخِ گل سے بلبل
دم اپنی نچا نچا کے گُلدم
یکبارگی آپ میں ہوا گم
گُل شبّو نے بھرا دمِ سرد
صد برگ کا چہرہ ہو گیا زرد
جو سرو پہ بیٹھی فاختہ تھی
سو وہ بھی حواس باختہ تھی
کر آبِ نشاط سے گلو تر
غٹ غوں کرنے لگے کبوتر
ماری بلبل نے جوں ہی اک چونچ
دامن میں گُل کے لگ گئی کھونچ
باقی نہ رہا کسی کو کچھ ضبط
یکبارگی سب کو ہو گیا خبط

رقصاں طاؤس خوش نما تھا
ایسا ہی قصۂ ہُما تھا

سب کے ہوئی دلوں کو ایک واشد
چونڈرے کو پھلا کے بیٹھا ہُد ہُد

سیمرغ و عقاب اور ققنص
غش ہوتے تھے لیک بالخص

اس ڈول کی چال جو خوش آئی
چڑھ آئی گجائی پر گجائی

نکلی مینڈک کی فوج کی فوج
اوپر نیچے یہ دیکھے اوج

لذّت اس بات کی جو چکھی
بیٹھی مکھی پہ چڑھ کے مکھی

کہنے لگے یوں وطن کے بھائی
دیکھا بھی شئے کو بے حیائی

موند آنکھ کلی کھلی جو دل کی
آپس میں لگی یہ کہنے مل کے

چاپس اس گہن کے پھر پچھاؤں
کو دن سلجھے یہ کاج پارس،

بنیوں نے بھی باٹ اپنے تولے
ای کہ مکھ رام جانے بولے،

سب مرہٹے بھی ہلا کے بھالا
بولے واداری اکڑی آلا!

دیکھو تو عَلیم طلا نکاں
اپنا ورگ آپ ہوا ہے حیراں

ہرجا اوشو، مذاق اس بولدے
ہر ترک اوری قو شولغہ کولدے

دُم جب ہتنی کی خوب سوجی
سب سکھ بول اُٹھے واگروجی

جاری ہوئی اک نشاط کی نہر
لہرا اُٹھی سُرور کی اک لہر

چالاکی جفت گشتن اسپ
گو اُن میں نہ تھی ولیک دلچسپ

ہمت اتنی ہی اور درخواست
تھی ویسی ہی صاف بے کم و کاست

کانپا ہر شخص کا کلیجہ
ان سے حرکت ہوئی نہ بے جا

عالم نے انھیں کو آ کے گھیرا
مستک پریں نے ہاتھ پھیرا

ایک ان پہ خوشی برس رہی تھی
باقی پھر بھی ہوس رہی تھی

سونڈیں آپس میں لڑتیاں تھیں
برچھی سی نگاہیں پڑتیاں تھیں

پھر شام کے وقت دھرم ساگر
لائے انھیں فیل بان جا کر

رغبت دونوں کو پھر ہوئی واں
سب ہو گئے اہلِ دید حیراں

پریں نے نہ دی انھیں اجازت
تا پھر بڑھ جائیں کر کے رغبت

یہ میں نے سُنا کہ اک بار اور
پہلے بھی ہو چکا تھا وہ طور

یہ بات مہاوتوں نے اس دن
مجھ سے نہ کہی قبولی اس دن

جس دن یہ ہوا تمام مطلب
ہاں ہاں لگے کرنے آن کر سب

اس بات کو تو دل میں کرو غور
مانع ہوتا نہ میں سو کس طور

مدّت گھنٹوں کی کل تھی چوبیس
جس میں کہ چڑھا تھا ان پہ ابلیس

تھے کر چکے چار بار وہ کام
پھر بھی لیتے نہ تھے کچھ آرام

تھا ان کا قصد بار پنجم
آنکھیں چمکیں بسانِ انجم

ڈرتا تھا مبادہ کچھ خلل ہو
تب تو میں نے کہا کہ روکو

بس اے مئے عاشقی کے ساغر
ہو جائیں گے یہ نحیف و لاغر

دو روز کے بعد وہ بہادر
مستی کے مارے پھر ہوا پر

آیا اس پر کے ڈالے پھر ڈول
چنچل کے دل میں ایک ہوا حول

لاتا تھا جب کہ سونڈھ ہاتھی
وہ مارتے اس کو پشتِ پا تھی

چنچل سے تو دوستی ہوئی کٹ — ایک اور تھی مادہ فیل اُس چھٹ
ہر وقت بہادر اُس کے تھا گرد — شیطان کا تھا وہ ایک شاگرد
چہلیں کیا کہیے جو وہاں تھیں — آپس میں بوسہ بازیاں تھیں
آمیزش گو وہ چاہتا تھا — دل ہی دل میں کراہتا تھا
ایک روز بحسب اتفاقات — تیّار ہوا پئے ملاقات
اُٹھی دل میں جو اُس کے جوشش — ہتنی پہ سوار ہو کے کوشش
کرنے تو لگا ولیک اندر — کچھ راہ نہ پائی اس سے باہر
کھولا اس نے دہانۂ مشک — آنکھوں سے ٹپک پڑے وہیں اشک
شرم اس کو نہ کچھ نہ کچھ حیا تھی — تھا وضع غریب کا وہ ہاتھی
رہتا ہر وقت مستعد تھا — اس بات پہ وہ بجد تھا
چنچل پیاری بغیر وہ دن — اس کو نہ ہوا نصیب لیکن
دیکھی نہ کسی نے ہوگی اب تک — جفتی اِن ہاتھیوں کی بے شک
انگریز جان کارسش راقم — قصہ کے ہوئے ولے مترجم
ہیں فارسی میں کلاک صاحب — وہ خاص حضور کے مصاحب
آنشا سے یہ ترجمہ بعینہٖ — موزوں ہوا ہے اے کہ و مہ
حسب الحکم جنابِ عالی — منظوم ہوئے ہیں یہ لالی
وہ ناظم ملک ہفت کشور — منصور و شجاع و عدل گستر
کاؤس حشم وزیرِ اعظم — جمشید حشم مہ مکرم

کسریٰ شوکت حضور پُر نُور
بہ اعظم و شکوہ و شانِ فغفور

دی جس کو علیؑ نے ہے سعادت
یارب رہے اُس کو یہ امارت

جب تک کہ رہے یہ فیل گردوں
نقارہ بجے اُسی کا دوں دوں

سُن لے تو اس کو بارِ الٰہا
انشاء اللہ نے جو چاہا

(کلیات انشاء اللہ خاں انشاؔ)

[م جھ ر ل]

جان کارش (انگریزی)

کلاک (فارسی)

سازِ مغرب کے آٹھ حصّوں میں شامل

۳۲۰ ہمترجموں کی فہرست

اِس فہرست میں منظوم ترجموں کے مقابل شاعروں کے نام درج ہیں
اور سازِ مغرب کے حصّہ اور صفحہ نمبر کو اعداد میں درج کیا گیا ہے۔

سلسلہ نمبر	عنوانِ نظم	شاعر	اردو جلد، صفحہ	انگریزی جلد، صفحہ
١	رموزِ حیات	جعفر عباس	١ : ٥٤	١ : ٥٦
٢	پیامِ عمل	خلیفہ عبد الحکیم	١ : ٥٥	
٣	نغمۂ حیات	سعد حسین سعدؔ	١ : ٥٩	
٤	زندگی	علی الدین عجزؔ بدایونی	٢ : ١٢٨	
٥	ترانۂ زندگی	ارشدؔ صدیقی	٣ : ٦٥	
٦	سرودِ زندگی	سید احمد کبیر	٣ : ٦٨	
٧	زندگی کا راگ		٣ : ١٢٨	
٨	نغمۂ زندگی	نظم طباطبائی	٤ : ٥٨	
٩	نغمۂ زندگی	وحید الدین سلیم	٤ : ٢١٣	
١٠	ترانۂ ہستی	سید یوسف علی	٦ : ٣٤	
١١	زمزمۂ حیات	سعید الدین خان سعیدؔ	٦ : ٢٢١	
١٢	پیغامِ حیات	بشیر احمد طاہرؔ	٨ : ١٢	
١٣	سرودِ حیات	ظفر علی خان	٨ : ١٠	
١	فلسفۂ محبت	عزیز احمد عزیزؔ	١ : ١٩٣	١ : ١٩٤

۲	فلسفۂ محبت	غلام محمد طور	۲ : ۷۸	۳ : ۱۸
۳	رازِ الفت	سید ابوالحسن ناطق	۲ : ۷۹	
۴	فلسفۂ عشق	اختر عظیم آبادی	۳ : ۹۶	
۵	محبت کا فلسفہ	فضل الرحمٰن	۴ : ۶۳	
۶	فلسفۂ محبت		۴ : ۲۵۱	
۷	محبت کا فلسفہ	محمد عثمان عارف نقشبندی	۵ : ۱۷	
۸	پریت کی ریت	مظفر الدین خان صاحب	۵ : ۱۹	
۹	فلسفۂ عشق	سید سراج الدین علی خاں	۶ : ۲۰	
۱۰	فلسفۂ اتحاد	ارشد تھانوی	۶ : ۲۲	
۱۱	فلسفۂ محبت	سید تمکین کاظمی	۸ : ۳۲	

۱	گلاب کا آخری پھول گرمی کے موسم میں	قیصر	۲ : ۱۳۴	۳ : ۱
۲	موسم بہار کا آخری پھول	حسرت موہانی	۳ : ۱۳	
۳	موسم بہار کا آخری پھول	سرور جہاں آبادی	۳ : ۱۵	
۴	بسنت کا آخری پھول	ارشد صدیقی	۳ : ۱۸	
۵	موسم گرما کا آخری پھول	تسکین قریشی	۳ : ۱۹	
۶	موسم گرما کا آخری گلاب	اقبال سُہیل	۵ : ۱۱	
۷	موسم گرما کا آخری گلاب	اقبال سُہیل	۵ : ۱۳	
۸	موسم گرما کا آخری گلاب	اقبال سُہیل	۵ : ۱۵	
۹	فصلِ بہار کا آخری پھول	شمس لکھنوی	۶ : ۴۹	
۱۰	موسم گرما کا آخری گلاب	محمد حسین آزاد حیدرآبادی	۷ : ۴۹	
۱۱	موسم بہار کا آخری گلاب	حافظ محمد یعقوب اوج گیاوی	۸ : ۲۶	

۱	تیر و نغمہ	نیازؔ فتح پوری	۴ : ۴۵	
۲	تیر و نغمہ	ارشدؔ صدیقی	۴ : ۴۶	
۳	ناوک و نغمہ	تسکینؔ سوردنوی	۴ : ۴۷	
۴	تیر و نغمہ	محمد حسین آزادؔ حیدرآبادی	۶ : ۲۴	
۵	تیر اور گیت	سید محمد سلیم واسطیؔ	۶ : ۲۵	
۶	تیر اور نغمہ	منشی عبدالرحیم خان ممنونؔ حیرتی	۸ : ۲۰	
۷	نغمہ و پیکان	اکبر علی خاں عرشی زادہ	۸ : ۲۱	

۱	نجم درخشاں	مولانا امتیاز علی عرشیؔ	۴ : ۴۸	۴ : ۴
۲	ننھے تارے	محی الدین	۴ : ۴۹	
۳	تارے	عزیزؔ نظمی	۴ : ۵۱	
۴	تارے	شادؔ عارفی	۶ : ۱۷	
۵	چھوٹے تارے	حافظ محمد یعقوب اوجؔ	۶ : ۱۸	
۶	ستارہ	محمد حسین آزادؔ حیدرآبادی	۷ : ۶۳	

۱	پاس عہد	سعد حسین سعدؔ	۱ : ۳۱۳	۱ : ۳۱۴
۲	وعدہ	سلامؔ مچھلی شہری	۱ : ۳۱۷	
۳	ایک برفیلی شام	ہری مہتا	۶ : ۲۴۷	
۴	وعدہ	شبنمؔ قادری	۷ : ۳۲۲	
۵	وعدہ	ریورنڈ ہینسن ریحانیؔ	۷ : ۳۲۳	
۶	وعدہ	میر یسین علی خاں	۷ : ۳۲۴	

١	گورِ غریباں	سید علی حیدر طباطبائی	١ : ٧	١ : ٨
٢	گورِ غریباں	سید احمد کبیرؔ	١ : ٢٣	
٣	گورِ غریباں	امیر چند بہارؔ	١ : ٣٢	
٤	گاؤں کا قبرستاں	سید صائب حسینی صائب	١ : ٤١	
٥	مزارِ غریباں	محمد مصطفیٰ حسین آصفی	٥ : ٣٠	

١	نرگس آبی	جعفر عباس	١ : ٦٢	١ : ٦٤
٢	تنہائی کی جنت	محمد امیر	١ : ٦٣	
٣	سنہرے پھول	ارشدؔ صدیقی	٣ : ١١٤	
٤	نرگس زریں نگار	سراج الدین علی خاں	٦ : ١٣	
٥	گلِ نرگس	جعفر حسینی جعفرؔ	٦ : ١٥	

١	ایک نابینا پھول والی کا گیت	محمد حسین آزادؔ حیدر آبادی	٢ : ٤٥
٢	اندھی پھول والی کا گیت	سرور جہاں آبادی	٢ : ٤٧
٣	اندھی پھول والی کا گیت	سید محمد ابراہیم اشک	٢ : ٥٠
٤	اندھی پھول والی کا گیت	اشک بلند شہری	٢ : ٥٢
٥	اندھی پھول والی کا گیت	احسنؔ لکھنوی	٢ : ٥٦

١	حکایت پسر ناخدا	منشی غلام مولیٰ	٣ : ٥٠	٣ : ٨
٢	کیسا بلا نکا	سعید الدین خاں سعیدؔ	٣ : ٥٣	
٣	کیسا بلا نکا	بدر الزماں بدرؔ	٣ : ٥٦	
٤	کیسا بلا نکا	رنجورؔ عظیم آبادی	٦ : ٣٠	

۵	ادائے فرض	محمد حسین آزاد حیدرآبادی	۶ : ۳۲	
۱	آزادی	سید مقبول حسین احمدپوری	۶ : ۹۱	۶ : ۱۸
۲	فردوس آزادی کی التجا	عزیز احمد	۷ : ۹۴	
۳	پرارتھنا	ان، ڈی، ملک	۷ : ۹۵	
۴	پرارتھنا	میر علی ضامن	۷ : ۹۶	
۵	فردوس وطن	عطاء اللہ کلیم	۸ : ۹۳	
۱	خوش نصیب کون ہے؟	قیصر	۲ : ۱۳۶	۳ : ۱۲
۲	مسرت آزادی	بشمبر پرشاد اختر	۳ : ۷۱	
۳	اچھی زندگی	سنت لال عنبر	۳ : ۷۳	
۴	پاک باطن	محمد عباس کاظمی نیشاپوری	۴ : ۳۱۹	
۵	طرز نشاط زندگی	سید اسد اللہ عباس	۸ : ۸۸	
۱	قوس قزح	رسا ہمدانی	۲ : ۱۴۷	۳ : ۱۰۰
۲	دھنک	ارشد صدیقی	۳ : ۱۶۰	
۳	عاشق فطرت کا ترانہ	عبدالرحمن غازی	۴ : ۳۲۱	
۴	قوس قزح	عزیز احمد	۷ : ۹۰	
۵	قوس قزح	حیرت	۸ : ۴۶	
۱	گوشۂ تنہائی	قیصر	۲ : ۱۳۰	۳ : ۱۵
۲	تصویر قناعت		۳ : ۸۶	۴ : ۵

۳	عشرتِ خلوت	لا اُبالی	۳ : ۸۸	
۴	خانہ نشین	فضل الرحمٰن	۴ : ۵۶	
۵	راحت تنہائی	جگن ناتھ کھنہ صفیؔ	۸ : ۶۲	
۱	بُلبل اور جگنو	ڈاکٹر اقبال	۳ : ۵۹	۳ : ۱۰
۲	بیان کرمک	منشی غلام مولیٰ (قلق میرٹھی)	۳ : ۶۱	
۳	عندلیب اور کرمک شب تاب	بدر الزماں	۳ : ۶۳	
۴	بُلبل اور جگنو	نسیم	۷ : ۵۱	
۵	بُلبل اور جگنو	سعید الدین خاں سعید	۸ : ۷۹	
۱	سمندر	سید محمد یوسف قیصرؔ	۲ : ۵۸	
۲	سمندر	ممتاز احمد	۲ : ۶۱	
۳	سمندر	بدر الحسن بدر جلالیؔ	۵ : ۱۰۳	
۴	سمندر	ظفر علی خاں	۴ : ۱۴	
۵	سمندر	بشیر احمد طاہرؔ	۸ : ۱۸	
۱	موت کی گھڑی	اسمٰعیل میرٹھی	۱ : ۱۴۳	۳ : ۱۹
۲	ساعتِ مرگ	برقؔ دہلوی	۲ : ۶۶	
۳	موت کا موسم	تلوک چند محرومؔ	۲ : ۶۸	
۴	موت کا وقت	محمود شیرانی	۳ : ۱۰۳	
۱	بہشتِ بریں	سید احمد کبیرؔ	۳ : ۲۲۱	۳ : ۸۷

٢	جنّت الفردوس		٥ : ٢٥	
٣	بیانِ جنّت	قلقؔ میرٹھی	٥ : ٢٧	
٤	فردوسِ بریں	محمد حسین آزادؔ حیدرآبادی	٦ : ٥١	

١	ہفت خوانِ عمر	سید احمد کبیرؔ	٣ : ١٣٥	٣ : ٣٠
٢	زندگی کا تھیٹر	ضامنؔ کنتوری	٤ : ٣١٦	
٣	تماشا گاہِ دنیا	منوّرؔ لکھنوی	٥ : ٤٦	
٤	دنیا ایک تماشا گاہ ہے	نسیم	٧ : ٤٧	

١	تصوّر	شہابؔ سرمدی	٥ : ٦٩	٥ : ٧
٢	تیری یاد	ظفر احمد نظامیؔ	٥ : ١٠٧	
٣	تصوّرِ محبوب	سہیلؔ بدایونی	٧ : ٧٤	
٤	مَوجِ اُلفت	عزیز احمد	٧ : ٧٥	

١	عشق اور موت	اقبالؔ	١ : ٢٠٥	
٢	محبت اور موت	سالیؔ	٤ : ٢٣٤	
٣	عشق اور موت	حکیم گلچیںؔ کرنالی	٦ : ٢٦	
٤	عشق اور موت	نظرؔ	٦ : ٢٨	

١	تصویرِ وفا		٣ : ٢٨	٣ : ٣
٢	لارڈ یولین کی لڑکی	محمد عباس کاظمیؔ نیشاپوری	٣ : ٣٢	
٣	نواب الن کی بیٹی	طالبؔ بنارسی	٣ : ٣٥	

۴ لارڈ اولن کی دختر	نسیمؔ	۷ : ۶۴	
۱ غلام کا خواب	ثاقبؔ بدایونی	۱ : ۷۵	۱ : ۷۶
۲ غلام کا خواب	محسنؔ زیدی	۲ : ۸۳	
۳ حبشی غلام کا خواب	دھرم سروپ	۵ : ۴۰	
۴ ایک افریقی غلام کا خواب	سید محمد زکریا	۸ : ۶۰	
۱ ترانۂ خزاں	فراقؔ گورکھپوری	۳ : ۳۶۳	۳ : ۱۰۱
۲ چل اے باد خزاں		۳ : ۲۴۲	
۳ چل اے جاڑے کی ہوا چل	محمد عثمان عارفؔ نقشبندی	۴ : ۶۱	
۴ ہو ہو اے سرد ہواؤ	سلطان سلیم انجمؔ	۷ : ۶۸	
۱ نابینا شاعر	محمد عثمان عارف نقشبندی	۵ : ۲۱	۵ : ۱
۲ اندھا شاعر	فضل الرحمٰن	۵ : ۲۳	
۳ اندھا ہو جانے پر	امیر چند بہارؔ	۷ : ۹۴	
۴ کور چشمی	سید شمس الدین	۸ : ۶۴	
۱ آخری التجا	عزیز احمد	۳ : ۱۵۷	۳ : ۴۴
۲ میرے بعد	بشیر احمد طاہرؔ	۳ : ۱۶۸	
۳ آخری تمنّا	تسکین سورونوی	۳ : ۱۹۶	
۴ میرے بعد	دھرمؔ سروپ	۸ : ۹۴	

١	حسین خواب	عزیز احمد عزیز	٣ : ١٦٥	٣ : ٥٠
٢	نغمۂ شبینہ	امیر چند بہار	٧ : ١٥١	
٣	سرود شبانہ	حفیظ ہوشیار پوری	٨ : ٢٤	
٤	سرود شبانہ	ظہیر	٨ : ٢٢	

١	رازِ محبت	حیدر علی خاں	١ : ١٨٩	٣ : ٢١
٢	مقصودِ اُلفت	نیرنگ	٢ : ١٣٢	
٣	ایک عرض	عزیز احمد عزیز	٣ : ١١٩	
٤	محبت ہی کی خاطر جان من مجھ سے محبت کر	دھرم سروپ	٨ : ٥٨	

١	کوئل	اسمٰعیل رسا	١ : ٢٥٩	١ : ٢٦٠
٢	کوئل	غلام محمد طور	٢ : ٦٢	
٣	کوئل	عظمت اللہ خاں	٢ : ٦٤	
٤	کوئل	فضل الرحمٰن	٤ : ٨٩	

١	ابو بن ادھم		١ : ١٩٥	١ : ١٩٦
٢	نوع بشر سے محبت	نظم طباطبائی	٢ : ٨٧	
٣	ابو بن ادھم	سعید الدین خاں سعید	٣ : ١١٧	

١	موت	سعد حسین سعد	١ : ٢٢٧	١ : ٢٢٨
٢	موت سب کو یکساں کر دیتی ہے	قیصر	٢ : ٨٥	
٣	اجل کے سامنے سب برابر ہیں	سید احمد کبیر	٣ : ١١٠	

۱	داستان اندھے لڑکے کی	منشی غلام مولیٰ (قلق میرٹھی)	۳ : ۲۱	۳ : ۲
۲	اندھا لڑکا	سید احمد کبیرؔ	۳ : ۲۳	
۳	طفلِ نابینا	سید راحت حسین	۳ : ۲۵	

۱	ایک گھرانے کی قبریں	سید علی سجاد دہلوی	۳ : ۴۰	۳ : ۶
۲	ایک خاندان کی قبریں	رضا صدیقی	۳ : ۴۴	
۳	ایک خاندان کی قبریں	تلوک چند محرومؔ	۳ : ۴۷	

۱	رحم	ممتاز احمد	۲ : ۱۳۳	۳ : ۱۶
۲	رحم	تلوک چند محرومؔ	۳ : ۹۰	
۳	رحم	سید علی حیدر نظم طباطبائی	۳ : ۹۱	

۱	تتلی	محمد اسمٰعیل رسا ہمدانی	۲ : ۹۲	
۲	تتلی	کیدار ناتھ بیکلؔ دہلوی	۴ : ۷۵	
۳	ایک تتلی سے	جلیل قدوائی	۶ : ۴۱	

۱	حُبِّ وطن	اسمٰعیل میرٹھی	۱ : ۱۱۱	۳ : ۶۷
۲	غریب الوطن طوطا	بدر الزماں	۳ : ۱۸۷	
۳	حُبِّ وطن	برقؔ صدیقی فتح پوری	۶ : ۳۸	

۱	حُبِّ وطن	تلوک چند محروم	۳ : ۷۹	۳ : ۱۳
۲	حُبِّ وطن	سید علی حیدر زیدی	۳ : ۸۱	

۳ حبِّ وطن	سید عبدالروف شاہ عاصی	۴ : ۸۵		
۱ ننھّا پودا	محی الدین	۴ : ۵۳	۷ : ۲
۲ شجرِ نوخیز	مولانا امتیاز علی عرشی	۴ : ۵۴	
۳ چھوٹا پودا	محمد حسین آزاد حیدرآبادی	۷ : ۵۹	
۱ کیفِ بہار	حامد علی خاں	۱ : ۲۴۱	۱ : ۲۴۲
۲ حالتِ وجد	شفیق کاکوروی	۴ : ۱۶۸	۴ : ۶
۳ بے خودی	امیر چند بہار	۷ : ۸۸	
۱ بچّے کا پہلا احساسِ غم	منشی تلوک چند محروم	۱ : ۱۱۹	۱ : ۱۲۰
۲ لڑکپن کی پہلی مصیبت	قلق میرٹھی	۴ : ۶۵	
۳ بچّے کا پہلا غم	پروفیسر فضل الدین فیاض	۸ : ۵۱	
۱ ربی بن عذرا	محمد امیر	۱ : ۲۶۷	۱ : ۲۶۸
۲ دانائے راز	فضل الرحمٰن	۴ : ۸۰	
۳ ربی بن عذرا	دھرم سروپ	۸ : ۱۳۳	
۱ سپاہی کا خواب	تلوک چند محروم	۲ : ۱۷۷	۳ : ۲۰
۲ سپاہی کا خواب	سید احمد کبیر	۳ : ۱۱۲	
۳ سپاہی کا خواب	سید محمد ابراہیم ندوی نجم	۸ : ۱۰۶	

۱	رونقِ حیات	عزیز احمد عزیزؔ	۳ : ۲۰۵	۳ : ۷۷
۲	ہزار آنکھیں روشن عروسِ شب کیلئے	مظفر الدین خاں صاحبؔ	۵ : ۳۹	
۳	آفتابِ محبت	دھرمؔ سروپ	۸ : ۸۵	
۱	شوہر کا جنازہ	امیر احمد انصاری	۳ : ۷۵	۳ : ۹۶
۲	پیمانۂ صبر	ارشدؔ صدیقی	۳ : ۷۷	
۳	مجاہد	سعید الدین خاں سعیدؔ	۸ : ۱۰۱	
۱	کھوئی ہوئی محبت	عزیز احمد عزیزؔ	۱ : ۸۵	۱ : ۸۶
۲	حسینہ بوسی	محسنؔ زیدی	۱ : ۸۷	
۳	دُنیائے خواب	نعیمؔ صدیقی	۲ : ۱۵۷	
۱	گوشۂ قناعت	وحید الدین سلیمؔ	۳ : ۲۴۴	
۲	قناعت	اوج گیاوی	۳ : ۲۴۷	
۳	قناعت	سید راحت حسین فلسفیؔ	۸ : ۶۷	
۱	موت اچھی کہ زندگی اچھی	نازؔ	۲ : ۷۴	
۲	زندگی اور موت	حمید عرفانیؔ	۲ : ۷۶	
۳	خُود کلامی	ابوظفر محمد عبدالواحد	۸ : ۴۳	
۱	ندی کا راگ	ظفر علی خاں	۱ : ۶۷	۱ : ۶۸
۲	آبِ جو	عبدالصمد برقیؔ	۱ : ۷۳	

۳	ندی	سید راحت حسین فلسفی	۸ : ۹۷

۱	سچی محبّت	محسن زیدی	۱ : ۲۲۳ ۱ : ۲۲۴
۲	حسن حقیقی	بادشاہ موتیھاری	۸ : ۵۴
۳	جمالیات	اشرف رفیع	۸ : ۱۰۲

۱	اسکائی لارک (ایک بند)	محمد عباس کاظمی نیشاپوری	۳ : ۱۸۳ ۳ : ۶۱
۲	اطمینانِ قلب	فضل الٰہی قریشی	۴ : ۱۱۳
۳	نہیں ہیں جو اس کی جستجو میں	سہیل بدایونی	۷ : ۱۵۰

۱	فراق رُوح و تن	ظفر علی خاں	۳ : ۱۵۰ ۳ : ۴۰
۲	ہم سفر	عزیز احمد	۷ : ۹۷
۳	زندگی کیا ہے تو اور تیرے یہ جلوے کیا ہیں	دھرم سروپ	۸ : ۱۰۰

۱	چکور	ارشد تھانوی	۳ : ۹۲ ۳ : ۱۷
۲	لوا	رسا ہمدانی	۳ : ۹۳
۳	طائر فلک	اعظم سحاب	۸ : ۸۶

۱	عالم یاس میں	امیر چند بہار	۱ : ۱۰۵ ۱ : ۱۰۶
۲	مایوسی	محمد عباس کاظمی نیشاپوری	۳ : ۱۲۱ ۳ : ۲۳
۳	اُداسی	دھرم سروپ	۸ : ۷۴

۱	فریب کی دیوی	عرشی زادہ	۴ : ۲۰۳	۱ : ۲۳۴
۲	بے رحم حسینہ	امیر چند بہار	۱ : ۲۳۳	
۱	گھنٹہ نہیں بجے گا	نادر کاکوروی	۱ : ۸۹	۱ : ۹۰
۲	بجنے پائے نہ کلیسا کا گجر آج کی رات	ارشد صدیقی	۳ : ۹۷	
۱	جہانِ عزلت	محمد امیر	۱ : ۱۶۱	۱ : ۱۶۲
۲	اکیلا جلاوطن	محمد فضل الرحمٰن	۳ : ۱۲۶	
۱	حسین ساگر	سفیر کاکوروی	۱ : ۱۸۵	۱ : ۱۸۶
۲	حسین ساگر	محمد سیف الدین شباب	۲ : ۸۲	
۱	بزدل	تلوک چند محروم	۳ : ۱۱۶	۱ : ۲۰۰
۲	بزدل	محمد ابراہیم	۱ : ۱۹۹	
۱	مُرغ بول رہا ہے	رسا ہمدانی	۳ : ۸۳	۳ : ۱۴
۲	فصلِ بہار	قیصر	۳ : ۸۴	
۱	گزرے زمانے کی یاد	نادر کاکوروی	۱ : ۱۴۸	۳ : ۲۲
۲	بیتے ہوئے دن	عزیز احمد عزیز	۳ : ۱۸۰	
۱	دھوپ اور چاندنی	ظفر علی خاں	۲ : ۱۴۴	۳ : ۳۵

۲	دھوپ اور چاندنی	ضامن کنتوری	۴ : ۸۷	
۱	شاہ بروس اور مکڑا	بشیر احمد طاہر	۳ : ۱۴۸	۳ : ۳۷
۲	راز کامیابی	سید راحت حسین	۴ : ۳۰۸	
۱	ماں کا خواب	ڈاکٹر اقبال	۳ : ۲۲۵	۳ : ۹۰
۲	مادر ناشاد کا خواب	برق دہلوی	۴ : ۶۷	
۱	ہم سات ہیں	عظمت اللہ خاں	۲ : ۱۰۶	
۲	فطرتِ معصوم	ارشد صدیقی	۳ : ۱۰۵	۳ : ۹۷
۱	کنول	احسن اکبر آبادی	۴ : ۲۷۸	۴ : ۳۳
۲	کنول	سفیر کاکوروی	۴ : ۲۸۰	
۱	تسلّی	فضل الرحمٰن	۴ : ۳۰۷	۴ : ۳۹
۲	یک گونہ تسلّی	محمد عثمان عارف نقشبندی	۵ : ۱۵۱	۵ : ۲۶
۱	غنچے	اختر جوناگڑھی	۴ : ۱۳۵	۵ : ۵
۲	غنچوں سے خطاب	منور لکھنوی	۵ : ۶۳	
۱	خدا کے کام	اسمٰعیل میرٹھی	۵ : ۶۷	۵ : ۶
۲	خدا کی صنعت	محی الدین	۵ : ۸۴	

۱	مفلس حسینہ	محسن زیدی	۴ : ۱۴۵	۵ : ۱۹
۲	بھکارن	سعید الدین خان سعید	۵ : ۱۱۱	
۱	سر جون مور کا جنازہ	مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی	۳ : ۱۵۴	۳ : ۴۲
۲	تدفین سر جان مور	محمد صدیق خاں بہا	۶ : ۴۳	
۱	فادر ولیم	اسمٰعیل میرٹھی	۱ : ۱۰۷	
۲	بوڑھا باپ	محمد حسین آزاد	۴ : ۱۹۸	
۱	آئینہ میں سفید بال دیکھ کر	حامد اللہ افسر	۲ : ۷۰	
۲	پہلا سفید بال	طالب بنارسی	۲ : ۷۱	
۱	فرصت	شان الحق حقی	۲ : ۸۰	
۲	فرصت	شمیم	۲ : ۸۱	
۱	بلنیھم جنگ کے بعد	محمد عباس کاظمی نیشاپوری	۳ : ۱۷۰	۳ : ۵۳
۲	معرکۂ بلنیھم	نسیم	۷ : ۷۰	
۱	آخری ہم رکابی	انوار علی خاں سوز	۲ : ۱۸۹	۷ : ۳
۲	ہم سفر	امیر چند بہار	۷ : ۸۸	
۱	باپ بیٹوں کو وصیت کرتا ہے	قیصر	۵ : ۵۰	

۲ باپ بیٹیوں کو وصیت کرتا ہے اختر جوناگڈھی ۷ : ۹۹

۱ بلبل فضل الرحمٰن ۴ : ۳۴۱ ۵ : ۲۸
۲ بلبل بشیر احمد طاہر ۵ : ۱۶۴

۱ کوئل سرور جہاں آبادی ۳ : ۱۲۳ ۳ : ۲۵
۲ کوئل عظیم الدین ۷ : ۶۰

۱ ایک لوے سے خطاب قیصر ۲ : ۱۹۶
۲ نغمۂ مجسم اثر لکھنوی ۷ : ۵۴

۱ پرواز محبت محمد عباس کاظمی نیشاپوری ۳ : ۱۷۴ ۳ : ۵۷
۲ ناپائیداری عشق دھرم سروپ ۸ : ۴۷

۱ دنیا کی چیزوں میں خدا کی قدرت سید احمد کبیر ۳ : ۱۹۳ ۳ : ۷۱
۲ خالقِ فطرت دھرم سروپ ۸ : ۱۰۳

۱ بادل قیصر ۲ : ۱۴۲
۲ ابر شہاب سرمدی ۵ : ۶۵

۱ سلمیٰ سعید الدین خاں سعید ۳ : ۱۳۱ ۳ : ۲۷
۲ لُو سی گرے نسیم ۷ : ۷۶

۱	اُلفت	عزیز احمد	۳ : ۱۹۹	۳ : ۷۳
۲	میری سلمیٰ ہے پھول کی پتی	امیر چند بہار	۷ : ۹۲	
۱	سچی محبت	فضل الرحمٰن	۴ : ۲۶۲	۴ : ۲۴
۲	محبت	امیر چند بہارؔ	۷ : ۴۲	۷ : ۳۵
۱	گلابِ حق	ہری مہتا	۱ : ۲۵۱	۱ : ۲۵۴
۲	گلابِ حق	دھرمؔ سروپ	۸ : ۱۱۰	
۱	آج اور کل		۵ : ۷۰	۵ : ۸
۲	آج اور کل	تلوک چند محروم	۸ : ۵۶	
۱	اننک آرڈن	ضامن کنتوری	۲ : ۲۲۱	
۲	جذبِ عشق	مرزا محمد بہادر یاورؔ	۸ : ۱۵۲	
۱	آب لوڈور	اکبر الہ آبادی	۵ : ۱۷۴	
۲	آبِ رواں	سید محمد عبد الغفور شہبازؔ	۸ : ۳۶	
۱	تشویش	ارشد صدیقی	۳ : ۱۶۷	۳ : ۵۱
۲	ہوس و عشق	دھرم سروپ	۸ : ۴۷	
۱	پانی کے ننھے قطرے	محی الدین	۴ : ۲۲۸	

۲	چھوٹی چھوٹی چیزیں، چھوٹے چھوٹے کام	تلوک چند محروم	۸ : ۷۰	
۱	ناپائیداری	بشیر احمد طاہر	۳ : ۱۷۶	۳ : ۵۹
۲	بہارِ حُسن کی رنگینیاں ہیں سب فانی	دھرم سروپ	۸ : ۲۹	
۱	کیا سے کیا	تلوک چند محروم	۳ : ۲۲۴	۳ : ۸۹
۲	اُٹھی ہے جاگ مری رُوح جاگ اٹھی ہے	دھرم سروپ	۸ : ۳۴	
۱	دنیا	امیر چند بہار	۷ : ۱۳۱	۷ : ۹
۲	لذّتِ دنیا	حنیف کیفی	۸ : ۹۱	
۱	پیام صبح	سر محمد اقبال	۱ : ۱۰۹	
۲	نمود سحر	شاہد صدیقی	۸ : ۹۱	
۱	فرانس میں کیمپ کا حادثہ	نسیم	۷ : ۲۴۵	
۲	فرانس کے لشکر کا ایک قصّہ	سعید الدین خان سعید	۸ : ۷۲	
۱	یاد	فضل الرحمٰن	۴ : ۲۵۸	۴ : ۲۲
۲	متاعِ رفتہ	قیصر قلندر	۸ : ۴۵	

۱ راہب صحرا نشین	ضامن کنتوری	۲ : ۲۱۰	
۲ جوگی	سید محمد عبدالغفور شہباز	۸ : ۱۲۴	
۱ جمال شئے سرور قلب بن کر		۳ : ۱۷۳	۳ : ۵۶
۲ بقائے حسن	دھرم سروپ	۸ : ۹۰	

Saaz-e-Maghrib (Vol. VIII)

CONTENTS

S. No.	Poem	Poet	Page No.	Page No. Urdu Translation	Vol.
1.	The Hermit	Oliver Goldsmith	1	114	VIII
2.	A Child's Hymn	Metilda Betham	11	9	VIII
3.	Day Break	Longfellow	12	109	I
4.	Love and Death	Tennyson	13	205	I

THE HERMIT

1

"Turn, gentle hermit of the dale,
And guide my lonely way,
To where yon taper cheers the vale,
With hospitable ray.

2

"For here, forlorn and lost I tread,
With fainting steps and slow;
Where wilds immeasurably spread,
Seem longthening as I go."

3

"Forbear, my son," the hermit cries,
"To tempt the dangerous gloom;
For yonder faithless phantom flies
To lure to thy doom.

4

"Here to the houseless child of want,
My door is open still,
And tho' my portion is but scant,
I give it with good will.

5

"Then turn to-night, and freely share,
What'er my cell bestows;
My rushy couch, and frugal fare,
My blessing and repose.

6

"No flocks that range the valley free,
To slaughter I condemn:
Taught by that power that pities me,
I learn to pity them.

7

"But from the mountain's grassy side
A guiltless feast I bring;
A scrip with herbs & fruits supply'd,
And water from the spring.

8

"Then pilgrim turn, thy cares forego
All earth-born cores are wrong;
Man wants but little here below,
Nor wants that little long."

9

Soft as the dew from heav'n descends,
His gentle accents fell:
The modest stranger bends,
And follows to the cell.

10

Far in a wilderness obscure
The lonely mansion lay,
A refuge to the neighbouring poor
And strangers led astray.

11

No stores beneath its humble thatch
Requir'd a master's care;
The wicket opening with a latch,
Receiv'd the harmless pair.

12

And now when busy crowds retire
To take their evening rest,
The hermit trimm'd his little fire,
And cheer'd his pensive guest;

13

And spread his vegetable stores
And gayly prest and smil'd
And skill,d in legendary lore,
The lingering hours beguil'd.

14

Around in sympathetic mirth
Its tricks the kitten tries,
The cricket chirrups in the hearth;
The crackling faggot flies.

15

But nothing could a charm impart
To sooth the stranger's woe;
For grief was heavy at his heart,
And tears began to flow.

16

His rising cares the hermit spy'd,

With answering care opprest:

And whence, unhappy youth, he cry'd

"The sorrows of thy breast?

17

"From better habitations spurn'd.

Reluctant dost thou rove;

Or grieve for friendship unreturn'd,

Or unregarded love?

18

"Alas! the joys that fortune brings

Are trifling, and decay;

And those who prize the paltry things,

More trifling still than they.

19

"And what is friendship but a name,

A charm that lulls to sleep;

A shade that follows wealth or fame,

But leaves the wretch to weep?

20

"And love is still on emptier sound,
The modern fair one'jest,
On earth unseen, or only found,
To warm the turtle's nest.

21

For shame, fond youth thy sorrows hush.
And spurn the sex," he said:
But, while he spoke, a rising blush
His love-lorn guest betray'd,

22

Surpriz'd he sees new beauties rise
Swift mantling to the view,
Like colours O'er the morning skies,
As bright, transient too.

23

The bashful look, the rising breast,
Alternate spread alarms.
The lovely stranger stands confest
A maid in all her charms.

24

And" ah, forgive a stranger rude.
A wretch forlorn," she cry'd,
"Whose feet unhallowed thus intrude
Where heaven and you reside.

25

"But let maid thy pity share,
Whom love has taught to stray;
Who seeks for rest, but finds despair
Companion of her way.

26

"My father liv'd beside the Tyne,
A wealthy lord was he ;
And all his wealth was mark'd as mine,
He had but only me.

27

,,To win me from his tender arms.
Unnumber'd suitors came ;
Who prais'd me for imputed charms,
And felt or feign'd a flame.

28

"Each hour a mercenary crowd
With richest proffers strove :
Amongst the rest young edwin bow'd,
But never talk'd of love.

29

"In humble simplest habit clad,
No wealth nor power had he;
Wisdom and worth were all he had,
But these were all to me.

30

"And when, beside me in the dale,
He caroll'd lays of love,
His breath lent fragrance to the gale,
And music to the grove.

31

"The blossom opening to the day,
The dews of heaven refin'd,
Could nought of purity display
To emulate his mind.

32

"The dew, the blossom on the tree,

With charms ii constant shine;

Their charms were his, but woe to me

Their constancy was mine.

33

"For still I try'd each fickle art,

Importunate and vain ;

And while his passiontouch'd my heart

I triumph'd in his pain.

34

"Till quite dejected with my scorn,

He left me to my pride;

And sought a solitude forlorn,

In secret where he died.

35

"But mine the sorrow, mine the fault,

And well my life shall pay,

I'll seek the solitude he sought,

And stretoh me where he lay.

36

"And there forlorn despairing hid,
I'll lay me down and die ;
"Twas so for me that Edwin did.
And so for him will I."

37

"Forbid it, heaven! "the hermit cry'd'
And clasp'd her to his breast :
The wondering fair one turn'd to chide
"Twas Edwin's self that prest.

38

"Turn, Angelina, ever dear,
My charmer, turn to see,
Thy own, thy long-lost Edwin here,
Restor'd to love and thee.

39

"Thus let me hold thee to my heart,
And ev'ry care resign:
And shall we never, never part,
My Life,-my all that's mine.

40

"No, never, from this hour to part,
We'll live and love so true;
The sigh that rends thy constant heart,
Shall break thy Edwin's too."

Oliver Goldsmith

A CHILD'S HYMN

God make my life a little light,
    Within the world to glow;
A little flame that burneth bright,
    Wherever I may go.

God make my life a little flower
    That giveth joy to all,
Content to bloom in native bower,
    Although the place be small.

God make my life a little song
    That comforteth the sad,
That helpeth others to be strong
    And maketh the singer glad.

God make my life a little staff
    Whereon the weak may rest,
That so what health and strength I have
    May serve my neighbours best.

God make my life a little hymn
    Of tenderness and praise,
Of faith that never waneth dim
    In all His wondrous ways.

METILDA BETHAM

DAY BREAK

A wind came up out of the sea,
And said, "O mists, make room for me".

It hailed the ships, and cried, "Sail on,
Ye mariners, the night is gone"

And hurried landward far away,
Crying, "Awake; it is the day".

It said unto the forest, :'Shout;
Hang all your leafy banners out:"

It touched the wood-bird's folded wing,
And said, "O bird, awake and sing".

And o'er the farms, "O chanticleer,
Your clarion blow; the day is near".

It whispered to the fields of corn,
"Bow down, and hail the coming morn".

It shouted through the belfry-tower,
,Awake, O bell: proclaim the hour".

It crossed the churchyard with a signh,
And saiu. "Not yet: in quiet lie".

LONGFELLOW

LOVE AND DEATH

What time the mighty moon was gathering light
Love paced the thymy plots of Paradise,
And all about him rool'd his lustrous eyes,
When turning round a cassia, full in view,
Death walking all alone beneath a yew,
And talking to himself, first met his sight,
You must begone', said Death, 'these walks are mine'.

Love wept and spread his sheeny vans for flight;
Yet ere he parted said, 'This hour is thine.
Thou art the shadow of life, and as the tree
Stands in the sun and shadows all beneath,
So in the light of great sternity
Life eminent creates the shade of death
The Shadow passeth when the tree shall fall,
But I shall reign for ever over all'.

TENNYSON

مطبوعاتِ وِلا اکیڈمی

مفہوم القرآن (پارہ ۱ تا ۶)	کیف بھوپالی	فی پارہ	۳-۰۰
اُردو الفاظ شماری	حسن الدین احمد		۱۵۰-۰۰
مقدمہ اُردو الفاظ شماری	حسن الدین احمد		۵-۰۰
انجمن (سوانحی مضامین کا مجموعہ)	حسن الدین احمد		۱۵-۰۰
سازِ مغرب (حصہ ۱ تا ۷)	حسن الدین احمد	فی حصہ	۲۰-۰۰
سازِ مشرق حصہ اول	حسن الدین احمد		۲۰-۰۰
داستانِ غم (فارسی) طبع دوم	شمس العلماء نواب عزیز جنگ وِلاؔ		۳۰-۰۰
وِلائے حافظ (فارسی)	شمس العلماء نواب عزیز جنگ وِلا		۳۰-۰۰
تاریخ النوائط حصہ اول طبع دوم	″ ″ ″ ″ ″		۲۰-۰۰
جامع العطیات	ضیاء الدین شکیب و حسن الدین احمد		۴۵-۰۰
وجود و شہود شعری مجموعہ	عطاؔ کلیانوی		۴-۰۰
انجمن در انجمن ″ ″	نواب مظفر الدین خاں صاحب		۸-۵۰
جوہر اندیشہ	″ ″ ″ ″ ″ ″ ″		۲۰-۰۰

وِلا اکیڈمی عزیز باغ سلطان پورہ حیدرآباد ۵۰۰۰۲۴